جلیل احمد قدوائی کے خطوط بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد

Letters of Jalil Ahmed Kidwai to Dr. Mukhtaruddin Ahmed

Dr. Mukhtaruddin Ahmed, Ex-Vice Chancellor, Mazharul Haq Arabic and Parisian University, Patna, India.

Abstract:

Jalil Ahmed Qidwai is a prominent figure of Urdu literature. Belonging to Sir Syed's School, he had a wide range of relations with different literary personalities. Dr. Mukharuddin Ahmed was one of them. In this article, Jalil Ahmed Qidwai's letters have been presented that had been written to Dr. Mukhtaruddin Ahmed. These letters highlight the literary, academic and personal life of Jalil. They also reflect the tradition of literary writings in the sub-continent.

﴿۱﴾

۹رجون۱۹۹۳ء

میرے نہایت پیارے مختار صاحب السلام علیکم

کچھ دن ہوئے آپ کے تا حال آخری خط کا جواب خاصی دیر سے ارسال کر چکا ہوں۔[1] تاخیر اور بہت سے سوالات کے جوابات غالبًا نہ دے سکنے کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ میری عمر اور نا قابل اطمینان صحت ان کوتاہیوں کی ذمہ دار ہیں۔ آپ کے تمام سوالات کے جوابات دینے اور آپ سے مسلسل گفتگو کئے جانے کی تمنا کا تقاضا ہے کہ آپ اب (اگر ممکن ہو تو جلد) کراچی تشریف لانے کا پروگرام بنا ڈالئے۔ یقین مانئے جو پوچھیں گے مناسب جواب دوں گا۔ اپنی زندگی میں مجھے اپنے پر توجہ دینے والا آپ سے بڑھ کر کوئی نہ ملا۔

یاد آتا ہے کہ آپ نے مجھے عرشی صاحب[2] کے خطوط کے بارے میں لکھا تھا۔ محض اتفاق سے کچھ اور کاغذات کی تلاش کے سلسلے میں وہ مجھے ایک مضمون کی شکل میں مل گئے۔ یہ ایک سلسلہ

میں نے شروع کیا تھا جو فی الحال شاید اب ہمیشہ کے لئے بند ہے۔ وہ صحت، وہ فراغت، وہ لکھنے کی طاقت اب کہاں سے لاؤں۔ یہی مضمون ارسال کر رہا ہوں۔ یہ Photostat کی شکل میں ہے، شاید کہیں کہیں نہ پڑھا جا سکے۔

حال میں ہمارا سب سے بڑا نقصان آپ کے وہاں ہو گیا ہے۔ امیر مینائی کی حیدر آباد میں وفات ہونے پر یلدرؔم نے ایک نظم لکھی تھی جس کا شعر تھا۔

ہم نہیں مانتے ہمارا امیؔر
حیدر آباد والے دے جائیں

مالک رام کی وفات نے دل پر جو زخم لگایا ہے وہ مندمل ہونا مشکل ہے۔

یہ سینے میں تازندگانی رہے گا
ترا داغ دل میں نشانی رہے گا

میرے آخری خط کا جواب وہ نہ دے پائے۔ میں اب تک منتظر تھا مگر اب؟

خدا کرے آپ سب مع الخیر ہوں۔ آپ برابر یاد آتے رہتے ہیں۔ کیا آپ کو مشفق خواجہ نے ''انشائے ہاشمی'' بھجوائی تھی؟ آپ نے ''چند اور اکابر چند اور معاصر'' نام پسند کیا تھا۔ یہ مجموعہ آ رہا ہے۔ نصف سے زائد کام ختم ہے۔ مختصر ہے مگر مجھے دل سے عزیز۔

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

جائسی صاحب[3] کو میرا سلام کہیں۔ پرچہ برابر مل رہا ہے، شکریہ پیش ہے۔ ''فکر و نظر'' بھی، شکریہ اس کا بھی۔ ہاں پچھلے خط میں ''فکر و نظر'' میں آپ نے جو حواشی میرے بارے میں لکھے ہیں اس میں مَیں نے آپ کی غلطی نکالی تھی۔ عجلت میں تھا اپنی غلطی بعد میں معلوم ہوئی۔ معذرت۔

جلیل قدوائی

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

﴿۲﴾

سی/ ۵، کوزی ہومز
سرشاہ محمد سلیمان روڈ
گلشن اقبال کراچی-۷۵۳۰۰
۱۵/جولائی ۱۹۹۰ء

مشفقی وعلیکم السلام

آپ کا ۵ صفحے کا محبت نامہ مل گیا تھا۔......اِس کے شکریہ کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ عدم صحت اور بعض دیگر تر ددات کی وجہ سے آپ کے اس خط کا جواب آنکھیں درست کرانے کے بعد لکھوں گا۔ دعا کیجئے خدا جلد توفیق بخشے۔

جس کتاب (تجزیے اور تجربے) کا آپ نے اس قدر تفصیل سے مطالعہ کیا ہرگز اس قابل نہ تھی کہ اتنی زحمت برداشت کرتے مگر ہاں ''شعراء اور شعریات'' کے نام سے ایک اور کتاب پریس میں ہے۔ غالباً دو ماہ بعد پیش کرسکوں گا۔ اس کی داد چاہوں گا۔ اس وقت اس محبت کے صلہ میں اپنی دو کتابیں ارسال ہیں ''خاکستر پروانہ'' میرا تیسرا مجموعۂ کلام۔ غالباً ہندوستان میں کہیں نہیں ملے گا۔ دوسرا مجموعہ ''چندا کا بر چند معاصر'' ہے۔ شاید آپ کی نظر سے گذرا ہو۔ اگر گزرا بھی ہو تو یہ دوسرا میرا دستخطی نسخہ بھی آپ اپنے پاس رکھیں۔ انشاء اللہ ذرا سی فرصت چند دن بعد مل جائے تو مفصل خط ارسال کروں گا۔

رسید ان کتابوں کی اور خط کی ضرور بھجوا دیں۔ سخت مجبور ہوں اور مصروف۔ آج ہی مَرے پرسو درّے، بیوی کی طبیعت نا گہانی خراب ہوئی ہے، وہ قلب کی مریضہ ہیں۔ دعا کریں جلد طبیعت درست ہو جائے۔ مجھے کوئی Chronic تکلیف نہیں ہے مگر ''پیری وصد عیب'' کے معنی روز بروز روشن تر ہوتے جاتے ہیں۔ معاف کیجئے اندازے سے یہ خط لکھا ہے۔ خط پہلے ہی خراب پھر آنکھوں کی تکلیف۔

والسلام
جلیل قدوائی

﴿۳﴾

کراچی
۳/دسمبر ۱۹۹۱ء

عزیزی و محبی مختار الدین احمد صاحب وعلیکم السلام

آپ کے تین خط مسلسل آئے ہوئے میرے سامنے ہیں جواب لکھنے کا ارادہ ہی ارادہ کرتا رہا اور اتنا وقت گزر گیا۔ آج انجمن لے کر آیا ہوں اور جواب لکھنا شروع کرتا ہوں۔ اس اثنا میں علی گڑھ سے آئے ہوئے ایک نوجوان کے ہاتھ بڑی گھبراہٹ اور بے اطمینانی کی حالت میں چند سطریں لکھ کر بھیج دی تھیں، میری شرمندگی اور بدتوفیقی قابل معافی ہیں، اُس وقت میری بیوی کی آنکھ کے آپریشن کا مسئلہ درپیش تھا۔ الحمد للہ کہ وہ ۱۳/نومبر کو ہو گیا۔ اور کامیاب رہا، ایک دو مہینہ دیکھ بھال جاری رہے گی تب چشمہ وغیرہ کا مسئلہ درپیش ہوگا، فی الحال وہ بالکل نارمل ہیں اور کسی قسم کی پابندی ان پر عائد نہیں ہے۔ آپ، میری آنکھوں کا آپریشن سمجھے، میری دونوں آنکھوں میں بھی موتیا اتر آیا ہے مگر میں بہت پست ہمت ہوں، بیوی بہت ہمت والی ہیں اس مرحلہ سے آسان گزر گئیں، دیکھئے میری باری کب آتی ہے۔

خط کا جواب لکھنے، یا لکھنے پڑھنے کے یا کسی اور کام میں میری اب وہ پہلی جیسی چستی نہیں رہی ہے، بات یہ ہے کہ ضعیفی اور ناطاقتی اب جم کر کوئی کام نہیں کرنے دیتی اور طبیعت پر ایک قسم کی وحشیانہ گھبراہٹ ہر وقت غالب رہتی ہے۔ میں اپنے کو ۸۸ سال کا کہتے ہوئے نہیں گھبراتا تھا، مگر ''قومی زبان'' نے حال میں میری کتاب پر ریویو کرتے ہوئے لکھا ''دو کم نوّے سال کا ہو گیا مگر میرا قلم ابھی تک ان تھک ہے''، تو احساس ہوا کہ واقعی بڈھا پھونس ہو گیا ہوں، ابھی ابھی ایک پھل والے سے خریداری کے سلسلے میں نرخ کے بارے میں تکرار ہوئی اور میں نے اسے اخلاق ترک نہ کرنے کی نصیحت کی تو اپنی معذرت کے ساتھ اس نے کہا کہ آپ میرے دادا کے برابر ہیں مگر کیا کروں میری مجبوری یہ ہے کہ....، میں نے کہا بیٹے بس مجھے باپ کے برابر سمجھو اپنے دادا کی عمر کا تو نہ بتاؤ (حالانکہ اپنے پوتے اور نواسے دادا نانا کہتے ہیں تو مجھے اپنی طوالت عمر کا احساس نہیں ہوتا)۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب میں کسی کام کرنے قابل نہیں رہا، آپ کے خطوط و جوابات نہ لکھنے کا اصل سبب سچ پوچھئے تو یہی درازی عمر ہے اور

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

چونکہ اس عمر میں کئی عوارض بھی ہیں لہٰذا ''پیری وصد عیب'' کی مثل مجھ پر صادق آتی ہے چنانچہ تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

''خاکستر پروانہ'' اور ''چند اکابر چند معاصر'' آپ کو وصول ہوگئیں، اطمینان ہوا، ''شعر وشعریات'' کچھ دن ہوئے خواجہ صاحب۱ کی خدمت میں آپ کو بھیجنے کے لئے پہنچا دی گئی تھیں، معلوم ہوا کہ آپ کے پاس پہنچ گئی ہیں، وصول کی ہوئی دونوں کتابوں کے بارے میں اپنی رائے لکھیں، مؤخر الذکر کتاب جب مل جائے تو اس کے بارے میں بھی یہی درخواست ہے، ''چند اکابر'' میں مولانا احسن (مارہروی) کے بارے میں بھی میرا مضمون شامل ہے، پڑھ کر اس بارے میں بھی کچھ لکھیں، موصوف ان معنوں میں میرے استاد تھے کہ مجھے انہوں نے انٹرمیڈیٹ میں پڑھایا تھا، میں نے ان سے بہت استفادہ کیا ہے، مگر شاعری میں کم نثر میں زیادہ، انہوں نے میرے پہلے مجموعۂ کلام ''نقش ونگار'' پر مقدمہ بھی لکھا تھا اور ان کے ''مکاتیب احسن'' میں میرے نام چار خطوط بھی شامل ہیں، بعد میں جب راس مسعود صاحب مرحوم نے یونیورسٹی میں اُردو کے شعبہ کی تنظیم نو کے لئے اسکیم بنائی تو میں ان کے اور رشید صاحب کے ساتھ چند سال یونیورسٹی میں استاد بھی رہا بلکہ پہلا نصاب بھی میں نے ہی بنایا تھا، ان پر آپ کا مضمون میں نے ''دائرے'' (کراچی) میں پڑھا تھا، واقعی تعجب یہ ہے کہ آپ نے اپنے محقق ہونے کا اس مضمون میں بہت اچھا ثبوت دیا ہے۔ میں نے اس سے بہت سی نئی معلومات حاصل کیں جن کے لئے شکر گزار ہوں، آپ کو داد دینا میرے لئے مشکل ہے اس لئے کہ میں تو شخصیات پر سیدھے سادے انداز میں As I know them کے قبیل کی چیزیں لکھ دیتا ہوں اور وہی مولانا کے بارے میں بھی اپنے مضمون میں کیا ہے، آپ نے علی گڑھ میں ان کی قائم کردہ جس انجمن کا ذکر کیا ہے وہ تو میرے زمانے میں 'انجمن حدیقۃ الشعر' کے نام سے معروف تھی، 'انجمن اُردوئے معلیٰ' کب سے موسوم ہوئی؟ اسی صفحہ پر ۱۹۰۱ء غالباً کیا یقیناً غلط چھپ گیا ہے۲ جب آپ نے ان کے کتب خانے میں کام کرنا شروع کیا تھا۔ صفحات کی ترتیب میں بھی رسالہ کے مرتب نے آپ کے مضمون میں غلطیاں کی ہیں، صفحہ ۸۹ پر (جو غلط ہے صفحہ ۸۸ ہونا چاہیئے)، آپ نے مولانا کے مخطوطات میں ''دیوان میر محمدی بیدار لکھنوی'' درج کیا ہے،۳ یہ بیدار تو میر وسودا کے ہم عصر تھے اور آگرہ سے آکر دہلی عرب سرائے میں بس گئے تھے، لکھنوی کیسے ہوگئے۔ میں نے ہندوستانی اکادمی الٰہ آباد سے دیوان بیدار (اُردو) مع مقدمہ شائع کیا تھا اور مولانا احسن کے نسخہ سے مدد لی تھی۔

میرے پاس بیدار کا فارسی دیوان بھی تھا۔ اب دونوں میری کتابوں کے ساتھ لٹن لائبریری میں ہیں۔ بہر حال اس سے آپ کی محنت اور دل سوزی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تحقیق کو آپ نے اس قدر دلچسپ بنا دیا ہے کہ مجھ جیسا صرف 'غزل گو' انسان آپ کے مضمون کو ڈوب کر پڑھ سکا۔ آپ کی شاعری کے نمونے بھی دیکھے اور افسوس ہوا کہ آپ نے اسے ترک کرنے میں عجلت سے کام لیا۔ آپ نے مولانا کی 'نمونۂ منثورات' دوسرے حصہ کو خوب ڈھونڈھ نکالا۔ جالبی اسے ضرور شائع کریں گے انشاءاللہ۔

آپ نے مولانا احسن کے ''دائرے'' کے صفحے ۹۷ پر جو 'خوش اوقات'، 'خوش پوشاک' والا شعر لکھا وہ استاد داغ (مولانا ہی کے نہیں بلکہ ''جہاں استاد'') کے ایک مقطع کے مصرعۂ ثانی سے مستفاد معلوم ہوتا ہے۔

آدمی خوش وضع و خوش اوقات ہے

اور ان کی اس غزل کا ہے جس کا مطلع ہے۔

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے

داغ نے اپنے مخصوص رنگ سے ہٹ کر جس کے لئے وہ بدنام یا نیک نام ہیں کیسا اچھا مطلع نکالا ہے۔ ایک اور ایسا ہی شعر یاد آیا جو داغ کا معلوم نہیں ہوتا۔

انسان کو ہے خانۂ ہستی میں لطف کیا مہمان آیئے تو پشیمان جایئے

حالانکہ اس غزل کا مطلع ان کے خاص اپنے رنگ میں ہے اور کیسا۔

اب وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ مری مان جایئے اللہ ! تیری شان کے قربان جایئے

آپ کے اس مضمون میں نوح ناروی کا ایک بڑا مزے دار اور ان کے اپنے رنگ کا بہترین نمائندہ شعر نظر سے گذرا۔

دنیا گلے میں ڈال کے پھانسی لٹک گئی بڑھنا غضب ہوا تری زلف دراز کا

ایسے شعر کچھ ایسے لا حاصل بھی نہیں ہوتے........۔ ایک شعر مجھے بھی نوح ناروی کا یاد آیا، بقول عزیز لکھنوی۔

تم نے چھیڑا تو کچھ کھلے ہم بھی بات پر بات یاد آتی ہے

نوح کا اپنے رنگ میں یہ شعر بھی خوب ہے، زمین ہے 'اطمینان اپنے دل میں تم رکھو، ایمان اپنے دل میں تم رکھو'۔

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

ابھی یہ دیکھتا ہوں میں جفا کیا ہے وفا کیا ہے
تمہیں دل دوں گا، اطمینان اپنے دل میں تم رکھو

اور لیجئے ایک اور ؎

بھیجا ہے ایک ایسا اس نے خط، تحریر ہے جس میں لفظ 'فقط'
اور اس کے سوا حالات نہیں، القاب نہیں، آداب نہیں

کیسی کیسی مشکل زمینوں میں یہ لوگ شعر کہہ لیتے تھے بلکہ پتھر کو پانی کر دیتے تھے بقول شاد عظیم آبادی ع

بڑے پتھر کو پانی کر دیا 'استاذ' کیا کہنا

اور ایسے شعر جیسا اوپر لکھا، بیکار نہیں ہوتے تھے۔ کم از کم میرے ایک دوست جو اپنے خطوں میں القاب آداب نہیں لکھتے تھے اس شعر نے انہیں اتنا متاثر کیا کہ اب لکھنے لگے ہیں، ان کا ذکر میں نے اپنے مجموعۂ تاثرات ''چشمہ آفتاب'' میں کیا ہے۔

آپ نے سرسید کے خطوط[۴] بنام اکبرالہ آبادی کے بارے میں لکھا ہے، یہ تو سردست مجھے یاد نہیں کن کن کے نام وہ خطوط ہیں، مگر وہ ذخیرہ کراچی یونیورسٹی کو نذر کرنے کے بعد (بلکہ اپنا ذخیرۂ کتب وتصاویر وغیرہ سبھی) وہاں محفوظ کرانے کے بعد یونیورسٹی جانا ہی نہیں ہوا۔ اتنا عرصہ گزر چکا، معلوم نہیں سب چیزیں کس حالت میں ہوں گی۔ ابواللیث[۵] ایک بار آئے تھے کہ انہوں نے اپنے عطیۂ کتب کا تو خود لڑ جھگڑ کر اور ذاتی نگرانی میں اندراج وغیرہ کرایا ہے باقی دوسرے ''گوشے'' بری حالت میں ہیں۔ میرے ایک شاگرد ڈاکٹر ریاض الاسلام ہیں جو بہت سعادت مند ہیں، انہوں نے ابواللیث کی رائے کے برخلاف مجھے بتایا تھا کہ فہرست ترتیب دی جا چکی ہے ان سے کہوں گا کہ اس معاملے میں میری اور آپ کی مدد کریں مگر اپنی بدحواسی اور انتشار مزاج وطبع کا حال اس خط کی ابتدا میں لکھ چکا ہوں۔ کتنا اچھا ہوتا کہ آپ اس بار جب کراچی آئیں تو یہ کام خود کریں۔ آپ ضرور مجھ سے ملیں کوئی نہ کوئی سبیل نکالوں گا۔ احسان رشید سے کہوں گا ورنہ مشفق خواجہ ہم سب سے چھوٹے ہونے کے باوجود ہمارے پیر مغاں موجود ہیں۔

آپ نے ''اردوئے معلی'' میں میری جو غزل دیکھی وہ تو میرے پہلے مجموعہ میں شامل ہے، اور اس کا انتخاب میرے تیسرے مجموعہ ''خاکستر پروانہ'' میں میرے پہلے دو مجموعوں کے انتخاب کے ساتھ موجود ہے۔ اصل میں سات شعر تھے، پانچ میں نے منتخب کر کے 'خاکستر' میں شامل کئے ہیں۔

آپ مجھے یہ غزل نقل کر کے نہ بھیجیں مگر آپ کی اس آمادگی نے مجھے یہ حوصلہ بہم پہنچایا ہے کہ ایک اور چیز کی تلاش کی زحمت دوں، اگرچہ میں افسانے لکھنا ترک کر چکا مگر میرے دو مجموعوں کے بعد (جو ''سیر گل'' اور ''اصنام خیالی'' کے نام سے شائع ہوئے، اول پر سیدین نے اور دوسرے پر مجیب صاحب نے مقدمات لکھے تھے) چند کہانیاں اور لکھی تھیں یہ کتابی شکل میں نہیں آئیں ایک ڈراما چیخوف کا ''ماموں جان'' کے نام سے ترجمہ کر کے مسلسل 'جامعہ' میں چھپوایا تھا، جی کہتا ہے کہ یادگار کے طور پر بچی کھچی مطبوعہ کہانیاں اور یہ ڈراما بھی کتابی شکل میں لے آؤں۔ علی گڑھ میگزین (غالباً ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء میں ''خراٹا'' کے عنوان سے کہانی ہی کے انداز میں چھپی تھی شاید آپ کی توجہ سے اس کی نقل ہاتھ آجائے بہت شکرگزار رہوں گا۔

جذبی صاحب سے میری دلی کی ملاقات ہے، ایک زمانے میں اپنے ہاں ادبی وشعری نشستیں مرتب ومنعقد کرتا تھا شاید وہیں تشریف لاتے تھے وہ علی گڑھ کے طالب علم تو نہیں بہرحال میرا سلام شوق انہیں پہنچا دیں، خورشید الاسلام صاحب سے بھی ملاقات نہیں ہاں احسان رشید صاحب نے ان کا ایک مضمون راس مسعود صاحب پر مجھے ہماری سوسائٹی کے مجموعہ میں شامل کرنے کو لا کر دیا تھا اور وہ شامل بھی ہوا۔ ان سے بھی میرا سلام کہیں، اور ان دونوں کو بلکہ اس سارے علاقے کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہیں۔ زندگی میں اب علی گڑھ کو دیکھنے کی بالکل امید نہیں۔ سچ پوچھئے تو علی گڑھ آپ کا علی گڑھ ہے اب وہ ہمارا نہیں اگرچہ اس کی یاد مرتے دم تک دل سے نہ جائے گی ؎

یہ سینہ میں تا زندگانی رہے گا ترا داغ دل میں نشانی رہے گا

میں علی گڑھ سے تقسیم ملک کے بعد غالباً ۱۹۴۹ء میں اپنے سابق وطن اناؤ (اور کانپور، الہ آباد وغیرہ جاتے ہوئے) گزرا تھا، پہلے خیال تھا کہ واپسی پر اس سرزمین کو چومنے کے لئے کچھ دن ٹھہروں گا مگر جاتے ہوئے اسٹیشن پر میں نے کمروں پر نام کی تختیاں ہندی میں لکھی ہوئی دیکھیں، ہمارے زمانے میں ایس ال سی (School Leaving Certificate) یعنی میٹرک کے نویں اور دسویں جماعتوں میں اردو والوں کو ہندی اور ہندی والوں کو اردو پڑھائی جاتی تھی مگر وہ کم وبیش زبان کے اعتبار سے ایک ہوتی تھیں صرف رسم الخط کا فرق تھا (بعد میں میں نے یوپی کے محکمہ تعلیم کے لئے ابتدائی غالباً چار جماعتوں کے لئے Readers بھی لکھی تھیں) خیال تھا کہ جو تختیاں ہندی میں لکھی ہوئی آویزاں ہیں انہیں پڑھ سکوں گا۔ وائے قسمت! ایک تختی میں بھی وہ

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

ہمارے زمانے کی Common Language نظر نہ آئی۔ میں نے سوچا شاید ڈاک خانہ کا لفظ قائم رکھ لیا ہوگا، دیکھا تو ''ڈاک'' کا لفظ تو تھا پر اس کے ساتھ ''خانہ'' کا لفظ نہ تھا کوئی اور لفظ شاید ''گھر'' تھا۔ یعنی انگریزی کا لفظ منظور ہے پر فارسی یا اُردو کا نہیں، دل ایسا ڈوب گیا کہ اس سفر ہی میں نہیں آج تک اس رنج کا احساس نہیں گیا۔ پھر جانا نہیں ہوا، نہ ضرورت پڑی نہ ہمت ہوئی اور اب تو : ع

صبح گذری، شام ہونے آئی میرؔ

اور آگے رات ہی رات ہے جس میں لوگ آرام کرتے ہیں اور ہوش وحواس سے بے خبر اور بے نیاز ہوکر، جسے اقبال نے ''خواب رامرگ'' سے تعبیر کیا ہے اور پھر ''مرگ راخواب گراں'' کی منزل آتے کیا دیر لگتی ہے۔

عصمت چغتائی مرحومہ سے میں ذاتی طور پر واقف نہ تھا، کئی سال ہوئے ایس ایس جعفری کے ہاں ایک نشست ہوئی تھی اور چونکہ میں علی گڑھ والوں میں سب سے سینیر تھا انہوں نے مجھے صدارت کی عزت بخشی، علی سردار جعفری بھی بمبئی سے آئے تھے۔ یہ علی گڑھ میں میرے محبوب طالب علم تھے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر تعمیل حکم میں آگے بڑھا ہی تھا کہ کسی گوشے سے لپک کر آئے اور بغل گیر ہوتے یہ کہہ کر کہ ''قدوائی صاحب نے تو مجھے علی گڑھ میں پڑھایا ہے''۔ (شاید آپ کو معلوم ہو کہ جاں نثار اختر، شان الحق حقی اور عزیز احمد مرحوم مجھ سے بتاتے تھے کہ منٹو ان سے انٹرمیڈیٹ میں اپنے کو شاگرد ہونا بتاتا تھا۔ اسرارالحق مجاز وغیرہ بھی علی گڑھ میں ۱۹۳۴ء-۱۹۳۶ء کے زمانے میں میرے شاگرد تھے۔ یاد آتا ہے کہ عصمت علی گڑھ میں میرے زمانے میں تھیں اب وہ بہ حیثیت ادیب مشہور ہیں، ان کے والد مرزا نسیم بیگ چغتائی ٹینس کے اچھے کھلاڑی تھے اور اسٹاف کلب میں ان سے ملاقاتیں رہیں مگر عصمت سے ملاقات جعفری صاحب کے ہاں اس نشست میں ہوئی۔ ادا جعفری کے ساتھ تھیں وہ بھی سرسری۔ میں نے ان کی کوئی کتاب نہیں پڑھی اور ان سے کیا کمیونسٹوں اور فحش نگاروں سے دور دور ہی رہا۔ 'انگارے' سب سے پہلی کتاب ہے جس نے ان سب کی طرف سے دل خراب کردیا۔ میں نے تو 'حیات مستعار' کی پہلی جلد میں لکھا ہے کہ جوش کی 'یادوں کی برات' کے کچھ حصے بھی اسی قبیل سے سمجھتا ہوں۔ جس زمانے میں وزارت اطلاعات میں شعبۂ معلومات سے متعلق تھا ضبط کرانے والے لٹریچر کو بطور فرض منصبی ضرور پڑھا ورنہ ہمیشہ اس قسم کی تحریروں سے الگ رہا۔ آپ چاہیں تو

اسے میری 'بدمذاقی' کہہ سکتے ہیں۔ احمد علی سے علی گڑھ سے ملاقات تھی۔ اگرچہ میں فارغ التحصیل ہو چکا تھا جب وہ طالب علم تھے خواجہ منظور کے توسط سے ملاقات ہوئی تھی، وہ اب تک کچھ نبھی چلی جارہی ہے ورنہ ان سب سے بیزار ہوں۔ احمد علی کو خداوند تعالیٰ نے ہدایت بخشی اور انہوں نے کلام پاک کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ میرے خیال میں ان کی انگریزی کی قابلیت کا یہ بہترین مصرف تھا اور انہوں نے اس کام کو دونوں جہان میں اپنے لئے خدا کی رحمت کا وسیلہ بنالیا۔

عصمت سے بس وہی جعفری صاحب کے ہاں پہلی اور آخری ملاقات ہوئی۔ خدا مرحومہ اور ہم سب کے گناہوں کو معاف کرے، آمین۔ معلوم نہیں کمیونزم کے زوال کے بعد اب یہ لوگ کیا رویہ اختیار کریں گے۔ یہ گندگی ختم ہونی چاہیئے۔ 'ترقی پسندی' ہر دور کا قدرتی تقاضہ ہے اور ترقی ادب میں بھی برابر ہوئی اور ہوتی رہی مگر یہ لغویت ادب نہیں کہی جاسکتی۔

فوسٹر-مسعود مراسلات والا خط آپ نے میرے لئے بہت ہی حوصلہ افزا لکھا۔ میں نے آپ کی رائے اس مجموعہ پر اور دوسری کتاب پر ریویو کے سلسلے میں جو تبصرہ کیا تھا مختصراً اسے بھی ''شعراء وشعریات'' کے آخر میں شامل کردیا ہے۔ میں آپ کے شکریہ کے لئے الفاظ نہیں پاتا۔ میں آپ کی رائے شامل کرنے سے باز نہیں آسکا۔ میں بے حد متأثر ہوا، خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ ہر مزی بھی آپ کی حوصلہ افزائی سے بے حد متاثر ہوئیں اور شکرگزار ہیں۔ لکھنا پڑھنا ان کا Career تو نہیں ہاں شوق اس کام کا انہیں بے حد ہے۔ ابھی کئی چیزیں خصوصاً انگریزی میں بچوں کے ادب کے سلسلے میں ان کی اشاعت کے لئے رکھی ہیں، اچھے ناشر نہیں ملتے اور ایسے جو ایماندار ہوں۔ ذاتی طور پر کوئی کیسے چھاپے جب کہ گرانی آسمان سے باتیں کررہی ہے۔ پھر Marketing الگ فن ہے جو ہمیں نہیں آتا۔

'ناموران علی گڑھ'[6] کے آخری حصہ کے لئے ممنون ہوں۔ یہ تیسرے کارواں کی جلد دوم ہے۔ اس سے پیشتر ''ناموران'' کے پہلے کارواں والی جلد مجھے ایک دوست کے ذریعہ موصول ہو چکی ہے، اور جلدیں کیسے ملیں؟ ممکن ہو تو یہ سلسلہ میرے پاس مکمل کرادیں شکرگزار ہوں گا۔ ایک بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ مجنوں گورکھپوری پر اس میں جو مضمون ہے وہ ان کے فن اور ان کی خدمات ادب کا بہترین مظہر ہو لیکن ان کی علی گڑھ سے وابستگی کو مشکوک سا بتاتا ہے۔ انہوں نے علی گڑھ میں ملازمت کی (یہ میرے بعد کی بات ہے) مگر ان کا قیام بہ حیثیت علی گڑھ کے طالب علم کے نہیں نمایاں کرتا۔ جس سال ان کی کامیابی انٹرمیڈیٹ امتحان کی علی گڑھ سے ظاہر کی گئی ہے

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

(۱۹۲۷ء) اس سے ایک سال پہلے میں بی اے پاس کر چکا تھا۔ میں کیا اس زمانے کا شاید ہی کوئی طالب علم ان کی علی گڑھ سے انٹرمیڈیٹ میں کامیابی کا حال جانتا ہو یہ اور بات ہے کہ اس زمانے کا اب علی گڑھ کا کوئی طالب علم زندہ ہی نہ ہو۔ میں ایک نہ جانے کیسے اب تک زندہ ہوں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے پرائیویٹ امتحان دیا ہو۔ تو اس صورت میں انہوں نے علی گڑھ کو کیا دیکھا اور اس سے کیا سیکھا۔ میرے زمانے میں ضیاء الدین صاحب نے انہیں چند دن کے لئے مسلم یونیورسٹی پریس میں ملازم رکھا تھا، ان کے ابا جان کی دوستی نباہی تھی۔ اس دوران ایک اسامی تعلیمی شعبہ میں قائم ہوئی تو چند روز لکچرر بھی رہے تھے مگر چونکہ لڑکوں کو کنٹرول نہ کرسکے علی گڑھ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ان کا یہ دور پورا ایک اسکینڈل تھا۔ جو کچھ بعد میں انہوں نے علی گڑھ کو دیا ہو اس کا مجھے علم نہیں۔ صفحہ ۳۸۰ پر مضمون نگار نے جو پہلا اقتباس درج کیا ہے اسے میں نے ''چند اکابر چند معاصر'' کے حرف آغاز میں صفحہ ۵ کے آخر پر شائع کر دیا ہے۔ پڑھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ کس موقع کا ہے اور کہاں کھپایا گیا ہے۔

بشیر الدین صاحب لائبریرین، خواجہ منظور حسین مرحوم کے واسطے سے میرے بڑے دوست ہو گئے تھے اور جو ذخیرہ میں نے لٹن لائبریری کو ۱۹۳۶ء میں حکومت ہند میں چلے آنے پر دیا تھا اس کی فہرست جمیل نقوی صاحب سے جو ان کے شعبہ میں ملازم تھے تیار کرا کے مجھے خاص طور پر بھجوائی تھی۔ اس کی بنا پر میں وہاں Donor کی فہرست میں شامل کیا گیا تھا اور کانوکیشن کے موقع پر رپورٹ میں میرا ذکر کیا گیا تھا اور ڈپٹی حبیب اللہ خاں مرحوم نے اس contribution سے مجھے یونیورسٹی کورٹ کا ممبر بنوانا چاہا تھا مگر میں نے منع کر دیا تھا۔ مجھے ابتدا سے غیر معمولی نام و نمود سے احتراز رہا ہے اور حکومت کے شعبہ پبلسٹی میں ہونے کے باوجود میں ان چیزوں سے کتراتا رہا۔ بشیر الدین صاحب پر میں نے ڈاکٹر ہادی حسن پر اپنے مضمون شائع شدہ ''سب رس'' کراچی میں ایک مختصر فوٹ نوٹ لکھا تھا۔ میرے زمانے میں وہ یونیورسٹی کے ایک مکان میں کرائے پر رہتے تھے۔ وہیں مختار حامد علی صاحب بھی معہ اپنی بیگم کے مقیم تھے۔[۷]

میرے نام کے خطوط اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا انتخاب ایک مستقل مسئلہ ہے۔ میں نے وہ سب خطوط خواجہ صاحب کے سپرد کر دیئے تھے اور انہیں کے پاس ہیں، کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ، کچھ منتخب ہیں اور باقی غیر منتخب۔ اور میرے پاس اور بہت سے اب جمع ہو گئے ہیں۔ خواجہ صاحب نے تو اپنا ادارہ بند کر دیا۔ میری زندگی زیادہ وفا کرتی نہیں معلوم ہوتی،

ہاں اتنی مہلت خدا سے ضرور چاہتا ہوں کہ انہیں مرتب کر دوں۔ دیکھئے کتنی فرصت ملتی ہے۔ ''حیات مستعار'' کی تکمیل ہی کے لالے پڑے ہیں۔ دوسرا حصہ خواجہ صاحب کو لکھ کر دیدیا تھا وہ امید ہے کہ جلد آجائے۔ غالب لائبریری کے رسالہ ''غالب'' میں شامل ہو رہا ہے اور پریس کو جا چکا ہے۔ میں اس کی کتابت آخری بار پڑھ چکا ہوں۔ 'غالب' میں نئے صفحات اور ٹائیٹل کے ساتھ شائع ہونے والے تھے اس کی سو جلدیں علیحدہ بنوا کر مجھے عطا کی جائیں گی۔ مجھے خود چھپوانے کی ہمت نہیں اور اب تو آگے لکھنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اشاعت کے لئے میں dictate کرادوں یا ٹیپ بنوادوں۔ مگر میں تو ایسی تمام تحریروں کو ادب کا حصہ سمجھتا ہوں اور واقعات کے کھتونی نہیں سمجھتا۔ اس کا ایک خاص Style ہوتا ہے اور Dictation میں یہ Style پیدا ہوتا ہے نہ ماحول، دیکھئے کیا صورت حال پیدا ہوتی ہے۔

اب میں آپ کے سب سے پہلے خط کو جو بہت طولانی اور مفصل تھا لیتا ہوں، جیسے امتحان میں آسان اور مختصر جواب کے ساتھ جو سوال حل ہو جائے طالب علم اسے پہلے لیتا ہے، آپ کے دو ایسے ہی خط میں نے پہلے نمٹا دیئے اگرچہ دیکھتا ہوں کہ اپنی طرف سے جوابات کو طول دے دیا۔ آپ یقین مانیں باوجود ان کوتاہیوں کے جن کا ذکر میں نے اس خط کے آغاز میں کیا ہے آپ کے خلوص اور محبت کا طفیل ہے کہ لکھنے میں مراجی لگ گیا اور جو جی میں یا نوکِ قلم پر آتا گیا لکھتا چلا گیا، خدا کرے آپ اس سے تنگ نہ آ گئے ہوں۔

''تجزیے اور تجربے'' میں میری جو تصویریں آپ نے ملاحظہ کیں ان پر میں نے اپنا شعر دیا ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے اپنے نسخے میں [میری تصویر پر] جو شعر لکھ دیا ہے وہ نیاز صاحب نے 'نگار' کے حسرت نمبر میں جو مولانا کی تصویریں آمنے سامنے شائع کی تھیں ان کے عنوان کے طور پر شامل کیا تھا۔ اس لئے میں نے اس شعر سے اجتناب کیا۔[۸] اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہونا چاہیئے۔ ع

یہ ہے انتہا خاک ہوگئے

اگر میرے نام خط میں سہو ہوا تو خیر ورنہ اپنے نسخے میں درست کر لیں۔

افسوس ہے کہ آپ کو میرا مرتب کردہ اور مکتبۂ اسلوب کا شائع کردہ 'مکتوبات عبدالحق' کا نسخہ نہ مل سکا۔ 'اُردوئے مصفّیٰ' کی تو میں نے خود ذرا دیر کے لئے زیارت کی تھی۔ یہ تو اس میں ہاشمی صاحب نے لکھا تھا کہ کام میرا کیا ہوا ہے مگر بعد میں مَیں خفا ہو گیا۔ لیکن حقیقی واقعہ تو اب آپ کو معلوم ہو گیا۔

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

خطوط کے اسی مجموعہ میں اور بہت سے حاصل شدہ خصوصاً مشفق خواجہ کے عطا کردہ خطوط شامل کر کے 'مکتوبات عبدالحق' مرتب کر دی تھی۔ مقدمہ نیا لکھا تھا جو 'اُردوئے مصفیٰ' کے ظہور میں آنے تک نہیں لکھا گیا تھا۔ مگر خواجہ صاحب نے اسے شائع کیا تھا اور تعجب ہے کہ ان سے آپ کو نہ ملی۔ اب یہ کتاب (غالباً پہلے ہی ایڈیشن والی) اُردو اکادمی سندھ نئے گرد پوش کے ساتھ بازار میں لائی ہے جس میں کتاب کا نام ''مکاتیب عبدالحق'' درج ہے۔ اگلا ایڈیشن اگر شائع ہوا اور میں زندہ رہا اور پبلشر نے مجھ سے مشورہ کیا تو تعداد میں زیادہ نیز کارآمد حواشی شامل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس کا قصّہ غالباً میرے موجودہ مجموعہ ''شعراء اور شعریات'' میں بھی آپ کو کسی حاشیہ میں ملے گا۔

مولوی عبدالعزیز ہمارے زمانے میں علی گڑھ آئے تھے اور عبدالعزیز میمن کہلاتے تھے یاد آتا ہے کہ معارف میں بھی وہ اسی نام سے چھپتے تھے ''میمنی'' وہ یہاں آ کر ہو گئے۔[۹] میرے حال پر وہاں بھی اور یہاں بھی بہت مہربان تھے بلکہ یہاں تو کچھ عرصہ جی ای سی ایچ میں وہ اور میں صبح ہوا خوری کو بھی ساتھ جاتے رہے۔ یہاں ممتاز حسن نے ان کی اچھی قدر دانی کی تھی۔ وہی نہیں علی گڑھ میں سید تجمل حسین لکچرر ٹریننگ کالج اور سیدین وغیرہ بھی مولانا آزاد[۱۰] کے نبیرہ (آغا محمد طاہر) کو ''بٹیرہ'' ہی کہتے تھے۔ بلکہ میرے خیال سے مولانا میمن (میں اب بھی مرحوم کو میمن ہی کہتا ہوں) کی زبان پر یا دوسرے لوگوں کی زبانوں پر آغا طاہر مرحوم[۱۱] کے لئے ''بٹیرہ'' کا لفظ سید تجمل حسین یا سیدین ہی کے ذریعہ پہنچا۔ میں اب تک انہیں آزاد کا نواسہ سمجھتا تھا اور علی گڑھ میں بھی کوئی شبہہ نہیں ہوا مگر حال میں ڈاکٹر اسلم فرخی نے (جنہوں نے آزاد پر ڈاکٹریٹ حاصل کی ہے) مجھے بتایا کہ آغا طاہر، آزاد کے پوتے تھے نواسے نہیں کیونکہ آزاد کے ایک ہی بیٹی تھیں جوان کی زندگی ہی میں فوت ہو گئی تھیں اور غالباً لاولد یا نا کتخدا فوت ہوئیں۔

اگر منظر عالم وہی ہیں جو مسلم لیگ کے لیڈر اور قائداعظم سے قریب تھے تو وہ یہاں آ کر عرصہ تک وکالت کرتے رہے، وہ عرصہ ہوا انتقال فرما گئے۔ عبدالوہاب خیری[۱۲] سے میں واقف نہیں مگر عبدالستار خیری[۱۳] اور ان کے علی گڑھ میں مختصر خاندان سے میرے معمولی تعلقات رہ چکے ہیں۔ عمر الدین مرحوم[۱۴] سے بھی اچھی ملاقات تھی مگر اب تو غالباً ان سب پر فاتحہ پڑھنے کا زمانہ ہے۔ عبدالجبار خیری کو بھی علی گڑھ کے کورٹ کے جلسوں میں دہلی میں ایک خاص ہیئت کذائی میں دیکھتا رہا۔ ان کا ایک خط بھی راس مسعود مرحوم کے نام کسی کی سفارش میں بلکہ ان کی سفارش کے کام نہ آنے کی شکایت میں کہیں میرے پاس پڑا ہوا ہے یا کسی قدر دان کو دے دیا ہے جو ایسی

چیزیں محفوظ کرتے ہیں۔ مجھے بڑی مسرت ہوئی اور بہت اطمینان ہوا کہ آپ نے ڈاکٹر اختر حسین کی 'گرد راہ' میں رشید صاحب کے بارے میں ان کے بیان کے سلسلے میں میری رائے سے اتفاق کیا مگر میں آپ کے اس ہلکے comment سے مطمئن نہیں کہ رشید صاحب کے بارے میں انہوں نے ''بہت نامناسب بات لکھ دی''۔ ڈاکٹر صاحب! یہ ''بائیں بازو'' والے عمداً اور مزا لے لے کر اس قسم کے خرافات بکھیرتے رہتے ہیں۔ مجھ سے ان سے بہت عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی، وجہ عموماً ان کی اور میری دونوں کی طوالت عمر اور آنکھوں کی مجبوریاں ہیں مگر انہیں خیال ہوتا اور کوئی ذمہ داری اس معاملے میں وہ محسوس کرتے تو جب میں نے مدیر 'افکار' کے ذریعہ ان کی غلط بیانیوں کی طرف کتاب کی اشاعت سے پہلے متوجہ کیا تھا وہ ضرور اس سلسلے میں کچھ کرتے۔ کس کس کے لئے خدا سے راہ راست پر چلنے کی توفیق کی دعا کروں۔ ویسے خود جو اتنا بڑا گنہگار ہوں، مجھے آپ جیسے دوستوں کی دعائیں چاہیئں۔

نصیر حسین خیال کے بارے میں ان کا نواب نہ ہونا آپ سے معلوم ہوا۔ ویسے قاضی عبدالودود صاحب نے یا شاید بعض دوسروں نے شاؔد کے بارے میں کہیں کہیں جو لکھا ہے اس سے تھوڑا بہت واقف تھا لیکن مؤخر الذکر کی شاعری پر تو میں بہت ہی فریفتہ ہوں۔ ''شعراء و شعریات'' میں ان پر ایک مفصل مضمون میرا شامل ہے۔ اسی مجموعہ میں کسی اور مضمون میں بھی میں نے ان کا ذکر بڑے شوق سے کیا ہے۔ کتاب ملے تو ملاحظہ کیجئے گا۔

بر سبیل تذکرہ آپ نے مجھ سے بلا وجہ اتنا اخلاص برتا ہے اور اس سے مجھے اپنا گرویدہ کر لیا ہے کہ جی چاہتا ہے کہ میری مرسلہ کتابوں پر آپ آزادی سے کچھ لکھیں۔ اگرچہ غالب کے مصرعہ کو ذرا سا بدل کر ع

ہم کہاں کے دانا ہیں، کس ہنر میں یکتا ہیں!! وغیرہ

خیال صاحب کے ''انٹریگس'' کے لفظ سے جس طرح آپ نے لطف اٹھایا،[۱۵] مجھے عمر الدین مرحوم کے ''سیکریفائیاں'' اور قبلہ میمن صاحب کے ''ڈیفیکلٹیاں'' کے الفاظ نے مزا دیا۔ کاش کسی مستقل مضمون میں آپ ان الفاظ سے بہت سے دوسروں کو لطف اندوز کر سکیں۔

راس مسعود مرحوم کے استعفےٰ کی وجہ آپ نے صحیح لکھی ہے، فخر الدین احمد (F. Ahmad) کو وہ رجسٹرار بنانا نہیں چاہتے تھے، انہیں توسیع دلانا چاہتے تھے کیونکہ راس مسعود نے جو reforms علی گڑھ میں کئے تھے فخر الدین اپنے پہلے term میں اس کام میں مسعود کے دست راست رہ چکے

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

تھے۔اس میں انہیں ڈاکٹر ضیاء الدین کی سیاست نے مات دے دی۔ یہ صاحب، رحمت اللہ کمیٹی (جو سرکاری تھی مگر نام کی چانسلر کمیٹی تھی اور وائسرائے کے ایما پر سلطان جہاں بیگم آف بھوپال نے مقرر کی تھی) کی سفارش کے مطابق پرو وائس چانسلر کے عہدہ سے ہٹائے گئے تھے مگر انگریزوں کے اس حد تک آلۂ کار تھے کہ بعد کے حالات نے ولنگڈن کو مجبور کیا کہ انہیں وائس چانسلر بنا کر علی گڑھ واپس بھیجا جائے۔اس کا قصّہ بہت لمبا ہے۔خط میں نہیں سما سکتا۔''حیات مستعار'' میں اس دور تک پہنچ سکا تو جی کھول کر لکھوں گا۔کورٹ کی ایک اور کمیٹی بھی بنی تھی اسی میٹنگ میں جس میں راس مسعود نے مات کھائی تھی جس میں راس مسعود کو نہیں رکھا گیا تھا۔ بیچارے کیسے اپنی ذلت برداشت کرتے۔خصوصاً یہ دیکھتے ہوئے کہ نہ صرف فخر الدین کو مسعود کی تجویز کے مطابق توسیع نہیں ملی بلکہ عظمت الٰہی زبیری کو جوان کے ماتحت اکیڈمک اسسٹنٹ تھے انہیں رجسٹرار منتخب کر لیا گیا۔دونوں زبیریوں نے مل کر مسعود کے تمام سابقہ کاموں پر پانی پھیر دیا اور انہیں ریشہ دوانیوں اور غلط کاریوں کے یونیورسٹی میں راہ پا جانے کے لئے دروازہ کھل گیا جنہیں مسعود نے دور کیا تھا۔

آپ کو معلومات اس زمانے کی نہیں ہیں، خیر اب دونوں خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔

آپ کو ڈاکٹر ضیاء الدین کے ہتھکنڈوں کی خبر نہیں، یہ سب تو میری آنکھوں کی دیکھی باتیں ہیں۔

میں سید سجاد حیدر صاحب رجسٹرار سے جنہیں بے دست و پا کر دیا گیا تھا براہ راست متعلق تھا مگر فخر الدین بہار کے تو نہ تھے وہ تو بنگال ایجوکیشنل سروس کے آدمی تھے، علیگ بے شک تھے۔ میرے مہربانوں میں تھے۔ان کے ساتھ بھی میں نے کام کیا۔قاضی جلال پر وہ مضمون عکس کرا کے حاضر کرتا ہوں۔کوئی پندرہ سولہ مضمون شخصیات پر''چند اکابر'' والے مضمونوں کے بعد اور چھپے رکھے ہیں،توفیق نصیب ہوئی اور زندگی بھی تو ان کا مجموعہ شائع کرانے کا ارادہ ہے۔ایک مضمون ہادی حسن پر بھی لکھا تھا۔اس کی نقل بھی بھیجنے کی کوشش کرتا ہوں۔

آپ نے میرے دو مضامین مشمولہ 'تجزیے اور تجربے' میں ثاقب کانپوری، ابوالخیر کشفی، محمد طفیل اور نقوش کو خوب پہنچانا ہے۔فوسٹر کی دو جلدوں میں لائف میں نے انگلستان میں کسی چھوٹی لائبریری سے حاصل کر کے پڑھی تھی مگر بعد میں جیسا کہ 'تجزیے' والے ایک مضمون میں مَیں نے ذکر کیا ہے فربنک نے مجھے تحفے کے طور پر اپنے inscript کے ساتھ کتاب کا بڑا مصوّر ایڈیشن ایک ہی جلد میں مطبوعہ Horcourt Press New York & London والا عطا کیا۔اس کے الفاظ تھے for Mr. Kidwai with wormest regards and thanks from Nick Forbank مگر

جب میں نے Foester-Masood Letters شائع کئے تو میری بیٹی نے لندن کے پبلشر Seeker & Werbing والا نسخہ فراہم کر دیا۔ میں اصل میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ عبارتیں نقل کرنے کے لئے کہاں سے Copy Right کے مطابق اجازت حاصل ہو۔بہر حال دونوں، معمولی ابتدائی صفحات اور سرورق کے فرق کے ساتھ ایک ہی ہیں یعنی... وہی مضمون، وہی ترتیب، وہی حواشی وغیرہ، کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا ہے۔امریکہ میں چھپوا کر جلدیں الگ الگ بنوائی گئی ہیں، تھوڑے سے ظاہری تصرف کے ساتھ۔دونوں کے صفحات ۳۵۹ ہیں قیمت $19.95 ہے۔اب تو دہلی میں مل جانی چاہیئے۔

پٹنہ کی تاریخ کے سلسلے میں آپ نے بڑی کاوش سے وہاں کے حالات لکھے ہیں۔ مجھے یاد نہیں شاد عظیم آبادی پر اپنے مضمون میں میں نے اس علاقے اور ان کے آباء واجداد کے بارے میں کہاں کہاں سے کچھ مسالا اکٹھا کر کے شامل کیا ہے۔معلوم نہیں وہ کس درجہ کی معلومات ہیں، ان کی کوئی حیثیت بھی ہے؟

میں نے ''موانعات'' سوچے سمجھے بغیر لکھ دیا ہوگا۔کیا جمع الجمع کے لحاظ سے یہ صحیح نہیں؟ میری زبان پر دونوں الفاظ رہتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو اُردو اور انگریزی دونوں میں قواعد سے کچھ نابلد ہی رہا۔یہی حال ریاضی میں رہا جس میں میرا رجحان کم رہا SLC میں ایک بار فیل بھی ہوا تھا۔

'مجلّہ یادگار مسعود' سب سے پہلا sovenior تھا جو ہم نے نکالا تھا مگر 'یادگار مسعود' ایک رسالہ تھا اور ہے۔میں نے اسے تھوڑا سا ایڈٹ کر کے ''تجزیے اور تجربے'' میں شامل کر دیا ہے۔ ہارون خاں شروانی مرحوم کی ہماری سوسائٹی میں آمد کے موقع پر اسے میں نے ایک تقریر کی شکل میں پڑھا تھا۔'مرقع مسعود' ناپید ہے۔ایک کتاب جو آپ نے نہیں طلب کی (اور جو آپ کے پاس نہیں ہے) آپ کو کسی ذریعہ سے پہنچے گی وہ ہے Realms of Golo، یہ مسعود صاحب کے بعض مستند اُردو شعرا کے مختصر منتخبات کے انگریزی منظوم تراجم ہیں۔ امید ہے پسند آئیں گے۔ میرا ایک مجموعۂ تاثرات ہے ''چشمہ آفتاب'' وہ بھی پہنچے گا۔شاید:

بے طلب دیں تو مزا اس میں سوا ملتا ہے

مسعود حسین خاں صاحب کی خود نوشت تو نہیں مگر سرورؔ کی ممکن ہو تو مجھے بھجوائیں۔ اگر چہ خواجہ صاحب کے ذریعہ اسلوب صاحب کی تازہ ترین ششماہی 'نقد و نظر' کی وصول یابی پر اس

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

میں ریویو دیکھ کر مایوسی ہوئی، خواجہ صاحب کے پاس سرور صاحب کی خود نوشت کی جو کاپی ہے وہ ماری ماری پھر رہی ہے، بہر حال مجھے اب تک نہیں ملی۔ ڈاکٹر عقیل صاحب[۱۶] سے میری شناسائی برائے نام ہے۔ ان سے کیا طلب کروں وہ میری رسائی سے باہر بھی ہیں۔

آپ نے لکھا ہے 'بات سے بات نکلتی گئی اور خط طویل سے طویل تر ہوتا گیا' یہی میرے ساتھ بھی ہوا، عدم صحت، کمزوری، ضعیفی، انتشار طبع، کسل آپ کے خطوط کا جواب لکھنے کے سلسلے میں دور سے دور تر ہو گئے اور بمصداق ع

لطیف بود حکایت دراز تر گفتم

خدا جانے کیا کیا لکھ گیا ہوں، عبارت کی بے ربطی و غلطی آپ براہ کرم درست کر لیں اور ان ہذیانات نیز بدخطی کے لئے مجھے معاف کریں۔

میرے ہذیانات شعری کے سمجھنے کو جلیلؔ
جیسا میں ہوں ایک ایسا ہی دوانا چاہیئے

آپ کا مخلص
جلیل قدوائی

مکرر: سوسائٹی کے مطبوعات میں ایک مجموعہ ''سرسید علیہ الرحمۃ معہ ضمیمہ سید محمود'' کے نام سے چھپا تھا وہ غالباً آپ کو نہیں ملا وہ بھی حاضر ہے۔ آپ لکھیں کہ آزاد لائبریری میں میری کون کون سی کتابیں نہیں ہیں تاکہ بھیجی جائیں۔ ج.ق.

ہاں کچھ دن ہوئے کبیر احمد جائسی صاحب کا پرچہ ''تہذیب الاخلاق'' ملا تھا۔ خواجہ صاحب نے بھیجا تھا اس میں میرا مضمون حلیم صاحب[۱۷] پر دیکھا، جائسی صاحب کی خدمت میں میرا شکریہ پہنچا دیں۔ ہمیں پرچہ ارسال کرتے رہیں اس معذرت کے ساتھ کہ میرا خط نہ ملے تو معاف کر دیں۔

ایک بہت ضروری بات یاد آئی، میں آپ کو یہ خط ختم کرنے کے بعد بیمار پڑ گیا۔ اب کہیں حالت روبہ افاقہ ہے، دعا کریں مکمل صحت حاصل ہو جائے۔ میرا ''دیوان بیدار'' (میر محمدی بیدار دہلوی) ہندوستانی اکادمی یوپی الٰہ آباد نے غالباً ۱۹۳۴ء میں چھاپا تھا۔[۱۸] تقسیم سے پہلے غالباً حکومت ہند میں مرے آجانے پر میری کتابوں کے عطیہ کے ساتھ لٹن لائبریری کی نذر ہو گیا۔ حکومت ہند سے میں نے

اپنے دوست اسد اللہ کاظمی سے جو اس وقت ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکٹر یوپی تھے اور جن کے تحت ہندوستانی اکادمی یوپی تھی بڑی مشکل سے تلاش کر کے اس کا ایک نسخہ حاصل کیا تھا کیونکہ اکادمی معدوم ہونے کی حالت میں تھی۔ اب یہاں کئی سال ہوئے اس کے دوسرے ایڈیشن کی تجویز[۱۹] ہوئی اور مہربانی سے مولانا عرشی رامپوری مرحوم نے میرے نسخہ کا خود اپنی ذاتی محنت سے رام پور لائبریری کے نسخہ سے مقابلہ کر دیا تھا اور نہایت بیش قیمت چیز ہو گئی تھی کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کے ایک میرے کرم فرما (اختر صاحب) میری حماقت سے لے گئے، نہ ملتے ہیں نہ واپس کرتے ہیں، فون پر ایک آدھ بار ملے کہہ دیا جلد حاضر ہو کر آپ کے پیر پکڑ لوں گا، جلد پیش کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ کیا آپ کوئی کاپی اس کی تلاش کر کے بھجوا سکتے ہیں، اس عذاب سے مجھے بچائیں! ع

اس عذاب میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل

جلیل قدوائی

﴿۴﴾

کراچی
۱۵/جون ۱۹۹۲ء

مشفقی آرزو صاحب   وعلیکم السلام

آپ کے دو خطوط علی الترتیب ۳/مارچ اور یکم اپریل کے لکھے میرے سامنے ہیں۔ ایک خواجہ صاحب کے ذریعہ ملا تھا غالباً مؤخر الذکر، اور دوسرا زیبا صاحب لائے تھے۔ میں کیا بتاؤں کتنا شرمندہ ہوں کہ جواب اس سے پہلے نہیں بھیج سکا۔ ارادے ہی کرتا رہ گیا۔ سچ کہتا ہوں اب عمر کے تقاضے، عدم صحت، عام کمزوری اور بینائی کی کمی نے مجھے بالکل از کار رفتہ کر دیا ہے۔ سوسائٹی سے بھی جی بھر گیا۔ کوئی کام کا آدمی نہیں ملتا جسے سپرد کر کے آرام کروں۔ باقی ارکان مربی، دوست اور ہمدرد ہیں مگر لکھنے پڑھنے میں کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ مالی حالات نے بھی تنگ کر دیا ہے۔ حکومت کے پاس بھی اب روپیہ ان کاموں کے لئے نہیں۔ 10% انکم ٹیکس تو عام بات تھی اب قسطوں میں تھوڑا تھوڑا دینے کے بعد بھی ختم سال تک بقایا واجب الادا سے انکار ہو جاتا ہے۔ دعا کریں کہ یہ حالات درست ہوں۔

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

آپ نے لکھا ہے کہ میں بھی طولانی خطوط لکھ لیتا ہوں، جی نہیں، آپ کو جو طویل خط آپ کے کئی خطوط کے جواب میں پچھلی بار لکھا تھا وہ کئی نشستوں میں تھوڑا تھوڑا لکھا تھا۔ خیر، خدا کا شکر ہے کہ اس قابل ابھی ہوں۔ آپ نے اپنے ان خطوط سے ہی مجھے نہیں نوازا، مجھے 'دیوان بیدار' کا اپنا نسخہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کا عطا کیا ہوا مرحمت کر دیا۔ یہ کتنی بڑی ایثار کی بات آپ نے کی۔ آج کل آپ جیسے لوگ عنقا ہیں۔ خدا سے دعا ہے ہر روز زندگیوں میں شاد و بامراد رہیں۔ لیکن دل کی تسلی کے سوا اب اسے رکھ کر اپنے کو اس پر کچھ کام کرنے کے ناقابل پا کر دکھ ہوتا ہے۔ شاید میں نے لکھا تھا کہ اس کے دوسرے ایڈیشن کے لئے امتیاز علی تاج نے جو لاہور کی مجلس ترقی ادب کے صدر تھے اور اب مرحوم ہو چکے ہیں اپنے ادارے کی طرف سے پیش کش کی تھی اور اس کا ایک نسخہ رام پور لائبریری میں تھا اس سے عرشی رام پوری مرحوم نے مقابلہ کر کے نتائج قلم بند کر دیئے تھے۔ چنانچہ میرا اپنا نسخہ ان قیمتی اضافوں کے ساتھ اب میرے پاس نہیں ہے اور مجھ میں اب اس کام کو پھر سے کرانے یا کرنے کا دم نہیں، کیا ہو سکتا ہے۔ بہرحال آپ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا واجب ہے جسے میں کرتا ہوں۔

آپ نے اپنی مہربانی سے سرور صاحب کی عجیب و غریب نام والی آپ بیتی بھی عنایت کی جسے پڑھ چکا اور بہت مایوسی ہوئی۔ اسلوب صاحب کا پرچہ جس میں اس پر ان کا ریویو شائع ہوا تھا خواجہ صاحب نے مجھے عنایت کیا تھا۔ میں اسلوب صاحب کی تحریر سے بہتر اس آپ بیتی پر کیا لکھ سکتا ہوں۔ اب یہ دونوں چیزیں احسان رشید صاحب پڑھنے کو لے گئے ہیں، میں نے گوشۂ راس مسعود (کراچی یونیورسٹی) سے سرسید کے خطوط میں اکبر کے خطوط کی فوٹو کاپیاں حاصل کرنے کو اب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی سے کہا ہے۔ انہوں نے آنکھوں کا آپریشن کرایا ہے۔ وعدہ تو انہوں نے کیا ہے کہ صحت کے بعد اس کام کو کریں گے۔ خدا کرے کامیابی ہو۔ میں خود اس وقت کہیں آنے جانے کے (خصوصاً بغیر کسی ساتھی کے) ناقابل ہوں۔ آنکھوں کی طرف سے بھی فی الحال معذوری ہے۔ جی بہت خوش ہوگا اگر یہ کام ان کے ذریعہ ہو گیا۔

مجھے بالکل یاد نہیں آپ کے پاس کون کون سی کتابیں پہنچ چکی ہیں۔ سب پر تو میرا ابھی قبضہ نہیں کچھ خواجہ صاحب نے کچھ زیبا صاحب نے اور کچھ جو بچہ [۱] یہاں شیخ اکرام پر کام کرنے آیا تھا اس نے آپ کو پہنچائیں۔ خواجہ صاحب نے آخری کتاب 'شعراء و شعریات' بھیجی ہوگی۔ آپ نے رسید نہیں لکھی۔ ایک طالب علم نے پچھلے دنوں حیدرآباد سندھ سے اول درجہ کا مجھ پر مقالہ

لکھ کر ام اے کی ڈگری حاصل کی ہے اور اپنا یہ مقالہ چھپوا بھی دیا ہے۔ کاتب اور پروف ریڈر کی اغلاط بہت ہیں۔ آپ کو وہ بھی بھجوا دوں گا مگر آپ میری کتابوں کی فہرست جو آپ تک پہنچ چکی ہیں ضرور بھیجیں۔ ہاں 'مکتوبات عبدالحق' کا ایک پرانا نسخہ ہاتھ آ گیا ہے وہ بھی بھیجوں گا۔

حال میں اپنے ایک سمدھی رحمٰن صاحب[۲] اور ان کے عزیز ڈاکٹر منان صاحب[۳] سے یہ معلوم ہو کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ تینوں علی گڑھ میں ایک ہی وقت میں طالب علم تھے۔ رحمٰن صاحب کی بڑی لڑکی حنا سے میرا سب سے چھوٹا بیٹا ڈاکٹر مختار قدوائی (ایم بی بی ایس، ایم آر سی پی) بیاہا ہے۔ آج کل میاں بیوی انگلینڈ سے آئے ہوئے ہیں اور ان کے دو چھوٹے بچے بھی، ایک بیٹا دوسری بیٹی۔

نیا مضمون اب لکھنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اپنے دوسرے بہت سے چھپے ہوئے خاکے 'چند اکابر چند معاصر' کے علاوہ یکجا شائع کرنے کی تمنا ہے۔ خدا پوری کرے۔ میرے جو مضمون آپ نے وہاں چھپوائے ہوں مجھے ان کے رسالے بھجوایئے گا۔ حلیم صاحب پر مضمون کبیر جائسی صاحب کے پرچے میں دیکھ لیا تھا۔ آپ کا ڈاکٹر ذکی الدین مرحوم پر شائع شدہ مضمون بھی پڑھ لیا۔ کیسا دُرِّ نایاب اپنی جوانی میں ہمارے دیکھتے دیکھتے گُم ہو گیا۔ مجھ سے جونیر تھے مگر مجھے خوب یاد ہیں۔ میری بڑی عزت کرتے تھے۔ غیور، بامروت، سعادت مند، افسوس۔ مرحوم نے اپنی قابلیت سے سب کو متأثر کیا تھا۔ اسی زمانے میں اپنے نام آئے ہوئے نہ جانے کتنے خطوط یہاں کے مختلف رسائل میں 'انشائے بے بدل' کے عنوان سے شائع کر چکا ہوں، نہ جانے کتنے غیر مطبوعہ پڑے ہیں، مگر اب زندگی زیادہ وفا کرتی نظر نہیں آتی، خواجہ صاحب کے سپرد کر دیئے ہیں۔ ہاں ایک مجموعہ کتابی شکل میں سید ہاشمی فرید آبادی کے خطوط کا شاید سوسائٹی کی طرف سے دیر سویر شائع ہو جائے، کچھ کام شروع تو ہوا ہے۔[۴]

فوسٹر اور مسعود کے تعلقات کے بارے میں آپ نے جو تحقیق چاہی ہے اسے ذرا دوسرے طریقے سے میں Foster-Masood Letters کے مقدمہ میں زیرِ بحث لا یا ہوں۔ آج تک تو انگریزی ادب میں یہ سب باتیں خوب کھل کر لکھی جاتی ہیں بلکہ کناڈا کے ایک انگریزی رسالے میں تنقید نگار نے میری کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے میرے کھل کر نہ لکھنے کا مذاق اڑایا تھا۔ معلوم نہیں اس کتاب میں میرے مقدمہ پر آپ نے غائر نظر ڈالی ہے یا نہیں۔ کتاب کے صفحات ۲۸-۲۷ اس سلسلے میں پڑھ ڈالئے، بلکہ ان صفحات سے کچھ پہلے اور آخری سطور بھی۔ میں نہیں کہتا

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

یہ پورے طور پر convincing ہیں لیکن پھر بھی اس سے زیادہ میں کچھ نہیں لکھ سکتا تھا۔ ہاں میں نے کئی جگہ مسعود کو اس سلسلے میں فوسٹر کا مذاق اڑاتے اور بیوقوف بناتے ضرور پڑھا ہے۔ خاص طور پر Forbank : E.M. Foster, A Life (یعنی فربنک کی فوسٹر کی سوانح عمری) میں میں نے انہیں صفحات میں بعض دوسرے انگریز مصنفین کی کم وبیش اسی قسم کی رائیں اس مسئلے میں درج کی ہیں اور نتیجتاً لکھا ہے:

And here let me add that this attitude of Masood helped Foster to divert his energies towards writing a rare book which provided him with the opportunity of releasing his creative impulse and earned for him a name for all time as one of the greatest novelists of this country. Further, that this action of Masood proved that he was much superior to Foster intellectually and morally superior to him physically with his robust build without doubt he very much already was!

’جامعہ‘ اور ’علی گڑھ میگزین‘ میں مَیں نے اپنی جن کہانیوں کو تلاش کر کے بھیجنے کے لئے عرض کیا تھا اس سلسلے میں توجہ فرمائیں نیز پچھلے خطوط میں ’ناموران علی گڑھ‘ کی جن جلدوں کا ذکر کیا ہے کہ میرے پاس نہیں ہیں انہیں بھی بجھوائیں۔ یہ عمر دیکھئے اور میری لکھنے پڑھنے کی مجبوریاں مگر جی نہیں مانتا اور کتابوں کی ہوس بڑھتی جا رہی ہے۔ میں نے اب تک اپنے تین ذخیرے کتابوں کے مختلف لائبریریوں کو بخش دیئے، شاید اب میرا آخری ذخیرہ بھی کسی کتب خانے ہی کو جائے۔ مگر ذخیرہ میری حسب مرضی جمع ہو تو جائے، اس کام میں میری مدد فرمائیے۔

میرے عزیز اب کسی طرح آگے قلم بلکہ ہاتھ نہیں چل رہا۔ بہت تھک گیا، باقی بشرط زندگی آمین۔ میں آپ کے لئے آپ کی بیگم صاحبہ اور بچوں کے حق میں تہہ دل سے دعا گو ہوں۔

والسلام خاکسار

جلیل قدوائی

خط میں کوئی اہتمام نہیں ہے، جو خیالات جس ترتیب سے آئے لکھتا چلا گیا، کہیں مسائل کا تکرار بھی ہے۔ میرے ہر Point کا جواب دیں۔

جلیل قدوائی

﴿۵﴾

کراچی

۲۰/اکتوبر ۱۹۹۲ء

برادرم مختار الدین احمد صاحب　　وعلیکم السلام

آپ کا مفصل خط مؤرخہ ۹/اکتوبر ۱۹۹۲ء ۹-۱۰ جولائی سال حال میرے سامنے ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں کہ مجھے اپنا عزیز سمجھتے ہیں اور طولانی خط لکھتے ہیں۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ ایک بار جواب لکھنے بیٹھا تھا کچھ سطریں لکھیں بھی اس کے بعد فرصت ہی نہیں ملی۔ وہ سطور چاک کر کے کاغذ تلف کر دیا کہ پھر لکھوں گا۔ فرصت نہ ہونے سے زیادہ پیری وصد عیب کے مضمون کا شکار ہوں اس وجہ سے بھی کوئی کام مناسب طور پر اور وقت پر انجام نہیں کر پاتا۔ رشید صاحب نے کہیں ایسی ہی بات ذرا سے فرق کے ساتھ لکھی ہے (یعنی عدم فرصت کے سلسلے میں) کہ کام کچھ نہیں اور عدم فرصت کی شکایت۔ مطلب یہ ہے کہ طول عمر اور عدم صحت اور کمزوری کی وجہ سے پست ہمتی ہر کام پر غالب رہتی ہے اور ارادے ہی ارادے کرتے وقت گزر جاتا ہے۔ بہر حال آج پھر جواب لکھنے بیٹھا ہوں خدا کرے حسب منشا آپ کو خط لکھنے میں کامیاب ہو جاؤں خواہ ایک نشست میں نہ لکھ سکوں۔ پچھلی بار بھی آپ نے میرے مفصل جواب پر جو مسرت کا اظہار کیا تھا اور مبارکباد دی تھی کہ اس عمر میں اتنے طولانی خط لکھ لیتے ہیں تو وہ خط کئی نشستوں میں لکھا گیا تھا۔

دو تین دن ہوئے پھر شجاع احمد زیبا صاحب ہندوستان گئے ہیں۔ علی گڑھ ہی میں شاید سر سید پر کوئی سیمینار ہے اس میں شریک ہوں گے۔ ان کے ہاتھ میں نے حسب ذیل کتابیں آپ کو بھیجی ہیں۔ (عین وقت پر آئے تھے اس لئے میں کتابوں پر دستخط بھی نہ کر سکا۔ کتابیں پہلے تلاش کر کے جمع کر لی تھیں)۔

۱۔ مکاتیب عبدالحق: یہ وہی نسخہ ہے جو میرا مرتب کردہ ہے۔ نیا ڈسٹ کور میں نے نکال دیا۔ میں نے نام ’مکتوبات عبدالحق‘ رکھا تھا۔ کوئی اور نیا ایڈیشن نہیں نکلا۔ پبلشر نے نئے نام کا ڈسٹ کور لگا دیا تھا۔

۲۔ حیات مستعار جلد اول: آپ نے لکھا تھا کہ آپ کے پاس والی کاپی کسی نے قبول فرمالی لہٰذا پھر حاضر ہے۔ اس کا دوسرا حصہ جو اس سے مختصر ہے خواجہ صاحب نے ’غالب‘

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

ششماہی (جو چار سال بعد اب چھپا ہے) کے آخر میں چھاپا تھا اور اس کی کچھ جلدیں میرے لئے بنوادی تھیں۔ وہ اس لئے نہیں بھیجا کہ وہ پرچہ انہوں نے آپ کو ضرور بھیجا ہوگا۔اس میں یہ حصہ شامل ہے تو آپ ضرور ملاحظہ فرما سکیں گے۔

۳۔ جلیل قدوائی :شخصیت اور فن: یہ مقالہ جو یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے ام اے کے لئے لکھا تھا اس کی مطبوعہ شکل ہے۔اس میں اور ’حیات مستعار‘ حصۂ دوم میں کتابت کی بہت سی غلطیاں ہیں۔ یہ غلطیاں مناسب طور پر درست نہیں کر سکا افسوس ہے۔

۴۔ اوراق گل: یہ راس مسعود سوسائٹی کی طرف سے شائع شدہ مجموعۂ مضامین ہے۔ ’’علاج در چین و کشتی در فرنگ‘‘ کے مصداق میں کوئٹہ میں تھا اور کتاب کراچی میں چھپ رہی تھی۔میری منشا کے مطابق کام نہیں ہو سکا۔لیکن آپ کو بھیجنے سے باز نہیں رہ سکا۔

۵۔ مشرق تاباں : یہ بھی سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوئی تھی- یہ میرے دوست مخمور اکبر آبادی مرحوم کا مجموعہ ہے۔مشرقی پاکستان پر ان کی چند نظموں کا رکھ لیجئے،ان کی یادگار کے طور پر- مشرقی پاکستان کی یاد بھی ہمارے دلوں میں اس سے باقی رہے گی۔ (ایک تراشہ بھی آپ کی تفریح کے لئے بھیجتا ہوں ’’کھرا کھانا‘‘ اس پر جائسی صاحب نے پچھلے پرچہ میں کچھ لکھا تھا۔اس پر یاد آ گیا،صرف لطف کے لئے ہے شاید یہ پسند آئے۔

۶،۷۔ یہ دو مختصر مجموعے [۱] میری بیوی کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ان کی حوصلہ افزائی کے لئے کچھ نہ کرتا رہتا ہوں۔افسوس ہے ان کی صحت قلب کے مرض نے تباہ کر رکھی ہے اور فی الحال آرام کرتی ہیں،سب کام ترک ہے۔ میں نے لکھا ہے آرام کرتی ہیں یعنی اگر مرض کسی بیمار کو آرام پہنچا سکتا ہے۔ہم دونوں ہی کم و بیش ایک حال میں ہیں اور یہاں بالکل تنہا۔ رسید سے سب کتابوں کی مطلع کیجئے گا۔

آپ مجھے ’ناموران علی گڑھ‘ کی بقیہ جلدیں تو بھجوائیں۔میرے پاس تو لکھ چکا ہوں کہ جنوری تا ستمبر ۱۹۸۵ء اور مارچ ۱۹۹۱ء بس دو ہی ہیں۔میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ مجنوں صاحب کی خدمات شعر و ادب کے باوصف انہیں ’ناموران علی گڑھ‘ میں شامل کر کے مرتبین نے علی گڑھ کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔علی گڑھ کے در و دیوار چھو کر واپس چلے جانے کو (اگر انہوں نے یہ کیا ہو) علیگ ہونا نہیں کہتے۔ ورنہ وہ علی گڑھ کے بارے میں کچھ نہ کہتے جس کے باعث مجھے ان پر ’چند اکابر‘ کے صفحۂ آخر پر نہ لکھنا پڑتا۔

اس پر یاد آیا کہ برنی [۲] صاحب دہلی میں اقبال کے خطوط کے حواشی کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں تو موصوف نے مجھے بھی ایک خط اس کے بارے میں لکھا تھا۔میں نے ان کے خط کا جواب بھیج دیا ہے اگرچہ حسب معمول تاخیر سے۔اور ان کے خط کا جواب تو تاخیر سے یوں بھی جاتا کہ معلومات فراہم کرنی تھیں،میں نے احسان رشید اور بیگم اکبر مسعود سے مختصر سا حال معلوم کیا ہے وہ بھی دیر سے ملا۔ وہ ایک پیراگراف میں ہے جو دو ایک دن میں روانہ کر دوں گا۔لیڈی مسعود (بعد میں بیگم چھتاری) پر اپنی کتاب Foster-Masood Letters میں مَیں نے جو چھوٹا سا باب رکھا ہے اس کی فوٹو اسٹیٹ بھی برنی صاحب کو بھیج دی تھی۔سید محمود کے بارے میں تو ’ناموران علی گڑھ‘ میں ضرورت سے کہیں زیادہ مسالا موجود ہے۔ برنی صاحب سے کہیں اسے وہیں ملاحظہ کر لیں۔ویسے احسان کے پاس سے جو کچھ ملا ہے اس کے ساتھ سید محمود کے بارے میں مختصراً میں اپنے طور پر بھی برنی صاحب کو کچھ ضرور ارسال کر دوں گا۔افسوس ہے بدایوں کے آرٹسٹ کاظمی صاحب کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میرے زمانے میں معین الدین آرٹ گیلری نئی نئی قائم ہوئی تھی اور اس سے متعلق آرٹسٹ سجاد کا نام لیا جاتا تھا۔ذاتی طور پر شاید میری واقفیت نہیں تھی۔شاید سید بشیر الدین کے ساتھ ایک آدھ بار دیکھا ہو مگر انہوں نے راس مسعود مرحوم کی آئل پینٹنگ تیار کی تھی۔Bust جس میں وہ جیتے جاگتے آج بھی نظر آتے ہیں۔لیڈی مسعود (بعد میں بیگم چھتاری) اسے نہایت عزیز رکھتی تھیں اور اپنے ڈائننگ روم میں اسے آویزاں رکھتی تھیں۔ اپنے جلسوں میں کئی بار میں نے رونق کے لئے وہ تصویر ان سے عاریتاً منگائی۔ مجھے بڑا افسوس ہے کہ کاظمی صاحب کے بارے میں میں کچھ نہیں عرض کر سکتا اس لئے اور بھی کہ آپ ان کے کام کی اتنی تعریف کرتے ہیں اور میں ان سے بے خبر رہا۔[۳] دیوان بیدار کی بابت غالباً میں نے پچھلی بار لکھا تو تھا کہ وہ یہاں ہمارے دوست جمیل اختر خاں (شاید یہی نام ہے اب مجھے پورا نام بھی یاد نہیں آتا) مجھ سے لے گئے تھے۔ پہلے عرشی صاحب پر مضمون اپنے (کسی) پرچہ کے لئے مانگتے رہے اور مرحوم کے خطوط بھی۔ جب میں نے کہا کہ وہ دونوں چیزیں میں نے خواجہ صاحب کی فرمائش پر ’قومی زبان‘ میں چھپوادی ہیں تو وہ نسخہ لے گئے کہ عرشی صاحب کا مقابلہ کیا ہوا کتاب کا کوئی صفحہ یا کچھ صفحات عکس لے کر شائع کریں گے اور محاکمہ کریں گے۔ وہ دن اور آج کی گھڑی نہ صورت دکھائی دی نہ میری کسی بات کا اثر قبول کیا۔فون پر ملتے نہیں ایک آدھ بار اتفاق سے ملے تو کہا حاضر ہوں گا،آپ کے پیر پکڑ لوں گا،معافی مانگ لوں گا،وغیرہ۔ خیر آپ کے کام کا کہاں

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

تک شکریہ ادا کروں کہ آپ نے ڈاکٹر صدیقی کا عطا کیا ہوا نایاب نسخہ مجھے عطا کر دیا۔ اس خلوص کی کوئی حد ہے؟ صدیقی صاحب کے نشان زدہ حصے پھر دیکھ لئے مگر اب تو معلوم ہوتا ہے کہ میں کچھ کام نہ کر سکوں گا۔ مجھے سکون قلب اور اطمینان اور وہ صحت نصیب نہیں، چل چلاؤ کا وقت ہے اور یہ کام چپک کر بیٹھنے اور حضور قلب اور مطالعہ اور دردسری کا ہے۔ مجلس ترقی ادب والوں کو بھی لکھا تھا، کوئی دلچسپی انہوں نے ظاہر نہیں کی اور خط کا جواب بھی نہیں دیا۔

عظمت الٰہی زبیری میرے زمانے میں اکیڈمک اسسٹنٹ ٹو دی رجسٹرار تھے اور ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم کے خاص الخاص آدمی تھے۔ مؤخرالذکر کے دست راست اگرچہ سجاد حیدر صاحب جو ایک کمزور انسان تھے کے ماتحت۔ اب میں ان کے اور ضیاء الدین مرحومین کے کیا کیا حالات بتاؤں۔ ناگفتہ بہ ہیں۔ یونیورسٹی پر رحمت اللہ کمیشن انہیں اور ان کے حواریوں ہی کی وجہ سے بٹھایا گیا۔ میں نے ایک صاحب کے ذریعہ سے جو زبیری خاندان سے رشتہ داری رکھتے ہیں عظمت صاحب کے ایک بیٹے کو جو میرے آس پاس ہی رہتے ہیں کہلوا دیا تھا کہ مجھ سے ملیں (ادھر اُدھر تو کبھی مل بھی جاتے ہیں اور جب ابتداءً پاکستان آئے تھے تو بہت ملتے تھے ملازمت وغیرہ کے سلسلے میں) اور اس کام کا سن کر بھی وہ نہیں آئے، پھر تقاضہ کروں گا۔ ویسے آپ یقین کریں ذاتی طور پر میرے تعلقات ان سے کیا کم وبیش سبھی بے آزار اور شریف لوگوں سے بہت اچھے تھے۔ رشید صاحب کے اچھے دوست تھے اس سے عظمت الٰہی صاحب کی سیرت اور شخصیت کا بہ خوبی اندازہ لگا لیجئے اگرچہ رشید صاحب بھی عظمت اور ضیاء الدین مرحومین کے حلقوں سے بہت دور نہ ہونے کے باوجود اس حلقے کے قابل اعتراض خدمات سے دور رہتے تھے۔

فضل کریم صاحب تو شاید ان دنوں طالب علم تھے جب میں وہاں تھا۔ ملاقات نہیں تھی پھر ان کے بارے میں کیا لکھوں۔

افسوس کہ سرسید اور اکبرالہ آبادی کے درمیان مراسلت کی تلاش کا ذکر ابواللیث سے کرنے کے باوجود ابھی تک کامیابی کی کوئی صورت نہیں نکلی۔ اس کے علاوہ ابواللیث پر ''شعرا وشعریات'' پر تبصرہ کرنے کا تقاضا بھی باقی ہے۔ میں تو گھر سے سواری پر بھی تنہا نکلنے کے قابل نہیں ہوں مگر فون ہی پر۔ ایک اور بہت ضروری کام میں نے ان امور کے علاوہ بعد میں ان کے سپرد کیا۔ میرا بیٹا یہاں آغا خان اسپتال میں ڈاکٹر تھا وہ اعلیٰ ڈاکٹری تعلیم حاصل کرنے برطانیہ معہ اپنی بیوی گیا ہوا ہے جس نے خود بھی ڈاکٹریٹ کیا ہوا ہے وہ ایم.آر.سی. پی. کر چکا ہے اور اب کسی اور تحقیقی

پروجیکٹ سے منسلک ہے وہ اپنے پچھلے سفر پاکستان میں اپنا ایک سوٹ کیس کھو بیٹھا جس میں اس کے اور اس کی بیوی کے نہایت اہم کاغذات (بشمول ڈگریوں کے) بھی تھے۔ دوسری دستاویزات کے نقول کے حاصل کرنے کا کام ایک اور صاحب کر رہے ہیں۔ ڈگریوں کے سلسلے میں میں نے ابواللیث کو پکڑ رکھا ہے اور ان کی نقول کے سلسلے میں اتنی کھکھیڑ اٹھانی پڑ رہی ہے کہ کیا عرض کروں۔ اور جب ''مرض در چین و کشتی در فرنگ'' والا معاملہ ہو کہ لڑکا ولایت میں ہے اور ابواللیث اور میں ایک دوسری (بلکہ دوسری اور تیسری) ولایتوں میں تو کاغذی گھوڑے دوڑانے میں کتنی صعوبتیں اٹھانی پڑ رہی ہیں۔ میں ان سے موقع پا کر پھر بات کروں گا۔ مگر کیا آپ خواجہ صاحب کے ذریعہ معین الدین عقیل کو اس کام پر نہیں لگا سکتے؟ عقیل مجھے جانتے ہیں اور میں بھی انہیں واجبی سا جانتا ہوں۔ میرے انجمن چھوڑنے کے زمانے میں وہ انجمن میں ملازم ہوئے تھے اور علیک سلیک ہمارے درمیان تھی۔ اب تو وہ میرے ہاتھ کیوں آئیں گے مگر یونیورسٹی میں ہونے کی وجہ سے وہ یہ کام خود یا ابواللیث صاحب کے ذریعہ آسانی سے کر سکیں گے ورنہ میں آپ سے متفق ہوں کہ جو کام آپ اس سلسلے میں کر رہے ہیں اس کی تکمیل رہ جائے گی اور یہ بڑا قابل افسوس ادبی سانحہ ہوگا۔ مجھے غم روزگار سے جیسے ہی فرصت ملی ابواللیث کو پھر یاد دلا دوں گا۔

'انشائے ہاشمی' جس کا میں نے پچھلے خط میں ذکر کیا تھا مختصر سے کتابچہ کی صورت میں بہت عجلت میں تیار ہو کر اب پریس میں جا رہی ہے۔ میرے پاس آپ جانتے ہیں میری عمر کو دیکھتے ہوئے اب زیادہ وقت نہیں ہے اور کام تو ختم ہونے میں نہیں آتے۔ 'کار دنیا کسے تمام نہ کرد'۔ باوجود بعض ایسے کام رہے جاتے ہیں خیر 'مرنے کے بعد بھی راحت نہیں' کا مقولہ لوگوں کی زبان پر آتا ہے۔ یہ مجموعہ تو زیادہ تر ایک پرانے افسوس ناک قضیہ کا تردد دور کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ زیبا صاحب نے بھی کچھ خطوط دیے تھے اگرچہ وہ ہاشمی صاحب کا وہ رنگ نہیں دکھاتے جو میں نے دکھانے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال دونوں رنگ دکھانے کے قابل تھے اور میں نے دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ غالباً اگلے ماہ آخر تک چھپ جائے گا۔ جب موقع ملا پیش کروں گا۔

پچھلے دنوں میرے انکار پر انکار کے باوجود انجمن ترقی اُردو والے مجھے اپنے جلسہ میں ''مہمان خصوصی'' بنا کر لے گئے تھے اور انہوں نے ''نشانِ سپاس'' عطا کیا۔.....اخبارات وغیرہ میں دھوم دھام مچی جس کے میں ہمیشہ سے خلاف رہا ہوں، تصویریں چھپیں۔ مگر اس کی کاروائی اور تقریریں نیز میری تقریر (نہ لکھتے وقت سمجھ میں آئی نہ پڑھتے وقت کہ کیا لکھا یا کیا کہا ہے!)۔

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

ستمبر اور اکتوبر کے 'قومی زبان' میں آئیں گی۔ ستمبر کا پرچہ جس میں صرف کارروائی کا ذکر ہے چھپ گیا ہے مگر مجھے اب تک نہیں ملا۔ اکتوبر کا شمارہ مفصل و باتصویر ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ میرے گھر والے کہتے ہیں جلسہ بہت کامیاب رہا۔ انجمن والے بھی کہتے ہیں ہال اتنا کھچا کھچ کبھی نہیں بھرا تھا۔ تمام کارروائی انتہائی سکون اور توجہ کے ساتھ دیکھی اور سنی گئی۔ اور یہ بھی ہوا کہ میں نے شعر ختم نہیں کیا تھا کہ دوسرا مصرعہ ہال والوں نے پڑھ دیا۔ اس اثنا میں یہاں کے منتخب اخبارات اور رسالوں میں مجھ پر لکھی ہوئی کتاب اور 'حیات مستعار' کے دوسرے حصہ پر بڑے اچھے تبصرے صبح و شام ہوئے۔

''خواب باقی ہیں'' ہے تو رہی جاتی تھی۔ بھئی میں نے نہ جانے کتنے مقامات پر نشان لگائے کہ کچھ لکھوں گا مگر وہ اتنا بڑھ جائے گا کہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔ اور میں جھنجھلانے پر آتا ہوں، تو میرا قلم میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ لہٰذا فی الحال ''میں کہاں اور یہ وبال کہاں'' کے مصداق اس غم سے باز آیا۔ اس کے علاوہ دوسرے ضروری کام میں بھی جو توجہ چاہتے ہیں اور اپنے کو ان پر توجہ دینے کی ہمت نہیں پڑتی۔ احسان رشید کتاب لے گئے تھے اور احسان صاحب نے تو اس کے ساتھ ایک طولانی خط بھی مجھے لکھا جس میں مسعود صاحب کی سرگزشت پر اپنی بھڑاس نکالی۔ ''حیات مستعار'' پر بہت ہمدردانہ لکھا بلکہ جی کھول کر داد دی۔

آپ نے لکھا ہے حلیم صاحب پر کہیں میرا مضمون شائع ہوا تھا۔ وہاں سے کبیر صاحب نے اپنے پرچہ میں نقل کر لیا۔ لیکن یہ مضمون تو میرے مجموعہ 'چند اکابر چند معاصر' میں شامل ہے۔ اس سے کیوں نہ نقل کر لیا گیا۔ جس کسی نے پہلے چھاپا اسی مجموعہ سے لیا ہوگا کیونکہ میں تو کوئی مضمون یہاں سے ہندوستانی کسی رسالے، اخبار میں بھیجتا نہیں۔ ہادی حسن والے مضمون کا کیا بنا۔ اسے بھی ضرور شائع ہونا چاہیئے معہ حواشی۔ 'انشائے ہاشمی' کے بعد اب اپنے دوسرے مجموعۂ شخصیات کی اشاعت کی باری ہے۔ اب کتابت کراتا ہوں۔ نام ہوگا 'چند اور اکابر چند اور معاصر' کوئی ڈھائی درجن شخصیات پر مضامین پہلے مجموعہ کے بعد شائع ہوئے تھے، ان کا مجموعہ ہے۔ اے کاش کوئی دیباچہ لکھنے والا ملتا۔ کیا آپ نے میرے پہلے مجموعہ میں مولانا احسن پر مضمون پڑھا تھا؟ اب علی گڑھ کے کچھ اور احباب کے نام لکھیئے جن پر کچھ لکھوں۔ مجھے تو یاد نہیں آتے۔ کئی چھوٹے چھوٹے خاکے جیسے ''سر سید و سید محمود'' والے مجموعہ میں کسی مضمون کے حواشی کے طور پر شامل کئے تھے۔ انہیں enlarge کرنا چاہتا ہوں۔ مگر افسوس دوسری زندگی کہاں سے لاؤں۔ مجھے وہ شمارہ نہیں ملا جس میں میرا مضمون قاضی جلال الدین پر چھپا ہے۔ وہ آپ بھجوائیں، کبیر صاحب سے میرا اسلام کہیں جو مجھ پر اس قدر مہربان ہیں۔

میرے ان مضامین کے تراشے یا نقلیں بھی مجھے مطلوب ہیں زیادہ تر قصے ہیں۔ اپنے پرانے خطوط میں میں ان کی مفصل نشان دہی کر چکا ہوں۔ انہیں نکال کر دیکھ لیں۔ پھر بھی کوئی بات ہو تو لکھیں۔

رشید صاحب کا اور کوئی خط میرے پاس نہیں ہے۔ احسان سے اگلی ملاقات پر پوچھوں گا کہ آپ کی اردن میں ان سے ملاقات اور رشید صاحب کے خطوط کی طلبی پر ان کی مسکراہٹ کیا معنی رکھتی تھی؟ ؁ اور اگر مسالا ملا تو بھجواؤں گا۔ آج کل وہ جاپان دو تین ہفتے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ رشید کے خطوط کا جو مجموعہ خواجہ صاحب نے چھاپا ہے ان کے حواشی میں غلطیاں نظر آئیں توجہ سے نہیں لکھے گئے۔ مگر ان پر زیادہ وقت صرف کرنا تو کسی کام میں کیڑے نکالنے والی ہوگی۔ کس کس کے کیڑے نکالوں۔ معمولی باتیں ہیں مگر اہم ہیں اور لکھنے والے بھرپور محنت نہیں کرتے۔ 'شعراء و شعریات' کے شعریات والے حصہ میں نہ جانے ایسی کتنی مثالیں آپ کو ملیں گی۔ رشید صاحب پر آپ کے مرتب کئے مجموعے کو شائع شدہ دیکھنے کی تمنا رہے گی۔

بیگم صاحبہ سلام عرض کرتی ہیں اور آپ کی داد پر شکریہ بھجواتی ہیں۔ آپ دیکھیں گے یہ خط کئی نشستوں میں لکھا گیا ہے اور کتنے آرام کی cost پر۔ میں زیادہ اٹھنے بیٹھنے تک سے تھک جاتا ہوں مگر آپ کی محبت نے اتنے عرصہ بعد بھی آپ کے خط کا جواب .... کاش آپ سے یہاں ملاقات ہو یعنی میرے گھر پر آ کر رہیں۔ اب آپ آئیں تو مجھ سے کئی بار ملنا نہ بھولیں۔

آپ کا جلیل قدوائی

مکرر: میں نے اپنی بہت سی چیزیں خواجہ صاحب کے پاس رکھا دی ہیں انہی میں ''انشائے بے بدل'' کے تراشے بھی ہیں اور نہ جانے کتنے منتخب اور غیر منتخب خطوط ہیں۔ مؤخر الذکر ذخیرہ اب نئے سرے سے میرے پاس جمع ہو رہا ہے۔ آپ کے آئندہ سفر میں زیادہ وقت باتیں اس موضوع پر ہوں گی۔ وہ اتنی مصروف زندگی گزار رہے ہیں کہ مجھ سے فون پر بھی مہینوں میں بات ہوتی ہے اور فون زیادہ تر میں ہی کرتا ہوں۔ خواجہ صاحب پچھلے ماہ اسلوب صاحب کو لے کر آئے تھے۔ اسلوب صاحب 'نذر منظور' عطا کر گئے۔ مگر آپ میرے لکھے ہوئے (ان کے اور میری طالب علمی کے زمانے کے منظور کو) میری 'حیات مستعار' کے دوسرے حصہ میں دیکھئے۔

خط میں اگر کوئی غلطی یا کچھ غلطیاں ہوئی ہوں تو معاف کیا جاؤں کیونکہ یہ بہت عدیم الفرصتی میں بلکہ بھاگ دوڑ میں اور بجلی چلے جانے کی مدت میں لکھا گیا ہے۔

جلیل قدوائی

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

﴿۶﴾

کراچی

۱۲/جنوری ۱۹۹۳ء

برادرم مختارالدین احمد وعلیکم السلام

آپ کا محبت نامہ مؤرخہ ۱۹/نومبر ۱۹۹۲ء خواجہ صاحب کے ذریعہ مل گیا تھا۔ اس کے بعد وہ شجاع احمد زیبا صاحب کے ہمراہ آئے تو آپ کی خیریت معلوم ہوئی مگر واپسی پر وہ آپ سے مل کر نہیں آئے اور موعودہ دونوں جلدیں 'ناموران علی گڑھ' کی نہیں لا سکے جس کا افسوس ہوا۔ اس کے بعد سے افسوس ہی افسوس ہو رہا ہے۔ جو حالات سنتا اور اخباروں سے معلوم کرتا ہوں ہمارے دونوں ملکوں اور اہل ملک کے لئے کسی طرح زیبا نہیں مگر جو خدا کو منظور ہو۔ جواب دینے میں تاخیر ہوئی۔ میری بیوی کی دوسری آنکھ کا بھی پچھلے ماہ آپریشن ہوا اور خدا کے فضل سے کامیاب رہا۔ اب میری باری ہے مگر میری ہمت نہیں پڑتی۔ اس کے علاوہ کندھے شل (Frozen) ہیں اور جوڑوں میں درد ہوتا ہے، Prostate، کھانسی، عام کمزوری، ضعیفی، بقول غالب 'عزیزو! اب اللہ ہی اللہ ہے' والا معاملہ ہے۔ میرے لئے دعائے خیر فرمایئے۔ ویسے احباب سے کبھی کبھی اپنے گھر پر اگر ملاقات ہو جاتی ہے تو پھر غالب ہی سے کام لیتا ہوں۔

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

معلوم نہیں آپ کو یہ پتا چلا یا نہیں کہ ستمبر ۱۹۲۹ء کی کسی تاریخ میں انجمن ترقی اُردو پاکستان نے مجھے ستر سال کی 'خدمات ادب' کے صلہ میں 'نشان سپاس' پیش کیا۔ 'قومی زبان' میں کارروائی اور تقاریر اس جلسے کی چھپی تھیں۔ آپ کے نظر سے ضرور گزری ہونگی۔ میرا اصلی حال میری ہی زبان سے میری تقریر کے ابتدائی حصہ میں پڑھ لیجئے۔

مسرت ہوئی کہ مرسلہ کتابیں زیبا صاحب کے ہاتھوں آپ کو مل گئیں۔ ایک صاحب نے مجھ پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جو ان کے ایم اے کے امتحان کا مقالہ ہے۔ نظر ثانی کئے بغیر انہوں نے چھپوا بھی دی ہے۔ ڈگری تو انہیں مل گئی۔ کچھ کتابیں انہوں نے مجھے بھی دی تھیں اور خواجہ صاحب کو بھی۔ اگر مؤخر الذکر نے آپ کو بھیجی ہے یا بھجوائی ہے تو اسے ملاحظہ کر لیجئے گا۔ بہت محنت سے لکھی ہے مگر ہے آخر ایم اے کا مقالہ۔ بہت کچھ اور لکھا جا سکتا تھا یا لکھا جا سکتا ہے۔ آپ نے تو

اب 'تہذیب الاخلاق' میرے نام مستقل طور پر جاری کرا دیا ہے۔ شکریہ پیش کرتا ہوں، یہ آتا رہتا ہے۔ اس کے ایک پرچہ میں قاضی جلال الدین والا اپنا مضمون مطبوعہ پڑھا اور اسی میں آپ نے کچھ اور اضافے کر دیئے ہیں مگر ڈاکٹر ہادی حسن والے مضمون کا حال نہ معلوم ہوا۔ آپ نے لکھا تھا کہ اسے بھی صاف کر کے چھپوا دیں گے۔ وہ پرچہ ضرور بھجوائیں۔ پندرہ بیس مضمون چھپے ہوئے کتابی شکل میں آنے کو پڑے ہیں۔ زندگی نے وفا کی تو یہ کتاب 'چند اور اکابر چند اور معاصر' کے نام سے شائع ہوگی۔ اس اثنا میں عدم صحت اور بینائی کی شکایت کے باوجود چونکہ پاکستان اکادمی نے کچھ روپیہ فراہم کر دیا تھا 'انشائے ہاشمی' کے نام سے سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم کے کچھ خطوط شائع کر دیے ہیں۔ شاید خواجہ صاحب آپ کو بھجوائیں ورنہ میں کوشش کروں گا کہ آپ تک وہ پہنچ جائے۔ سو صفحے سے بھی کم کا مجموعہ ہے مگر کیا کیا جائے میری معذوریوں کے تحت اس سے بہتر اور زیادہ ضخیم نہ تیار ہو سکا۔ زیبا صاحب میرے مددگار تھے مگر دو بار کئی کئی ماہ کے لئے ہندوستان چلے گئے، کسی سے مدد نہ ملی۔

میں تو کہیں آنے جانے کے قابل نہیں ہوں، ڈاکٹر اسلم فرخی کے بے حد اصرار پر انجمن کے ایک مختصر جلسے میں جانا پڑا۔ بہار سے شاد عظیم آبادی کے جن کا میں بے حد قائل ہوں کوئی شاگرد ے آئے تھے۔ جلسے میں معین الدین عقیل صاحب مل گئے۔ اُن سے میں نے کہا ہے کہ کراچی یونیورسٹی میں جو گوشۂ راس مسعود قائم ہے وہاں سر سید اور اکبر الہ آبادی کے مابین خط و کتابت کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں میں نے مہیا کی ہیں اُن کے نقول مجھے تلاش کر کے بھجوائیں۔ وعدہ تو بہت زور سے کیا تھا مگر ابھی تک ان سے کچھ نہ دستیاب ہوا۔ اب پھر تقاضا کروں گا۔ اپنا پتا مجھے انہوں نے دے دیا ہے۔

ہاں احسان رشید نے مجھے سرور صاحب کی کتاب ملاحظہ فرمانے کے بعد خط لکھا تھا اس کی نقل آپ کو بھیجنے کی اجازت دے دی ہے۔ ضمناً اس میں میری 'حیات مستعار' کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ اس کی نقل بھیجتا ہوں۔ اس خط کے آخری حصہ میں بیگم جسٹس محمود (جو پیلی کوٹھی میں میرے زمانے میں قیام پذیر تھیں اور محمود بیگم کہلاتی تھیں) کے سلسلے میں احسان صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ معاملہ اب ختم ہو چکا۔ میں نے برنی صاحب کو احسان صاحب کی طرف سے ملی ہوئی اطلاعات فراہم کر دی تھیں جن کی رسید اب تک نہیں آئی ہے۔ میرے ہم رشتہ خط کا کوئی جواب ہی نہ ملا۔ 'ناموران علی گڑھ' میں جسٹس محمود پر دو مضامین میں سے ایک میں محمود بیگم پر جو پیراگراف تھا اس کی نقل بھیج دی تھی۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ انہیں میرا پتہ کیا آپ ہی نے دیا تھا۔

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

اس امر پر ضرور تعجب ہوا کہ 'ناموران علی گڑھ' میں محمود بیگم کے خاندان کے بارے میں میری مرسلہ معلومات وہیں کیوں نہ معلوم کر لی گئیں۔ یہ ممکن ہو تو برنی صاحب کو یہ معلومات دوبارہ فراہم کریں اور ان سے مجھے خط بھی لکھوا دیں کہ انہیں مل گئیں۔ شکریہ۔ میرا خط نہایت ناہموار ہو گیا ہے، میری معذرت قبول ہو۔ جو جواب طلب امور رہ گئے ہوں انہیں پھر لکھیں۔ انشاء اللہ آئندہ جواب دوں گا۔

ہاں احسان کورشید صاحب کے مضامین کا سلسلہ ''گل منزل'' (کچی بارک کے بارے میں) جو غالباً سنہ ۲۰، ۲۱ میں یا اس کے لگ بھگ علی گڑھ میگزین میں شائع ہوا تھا (وہ پرچے میری نظر سے گزر چکے ہیں آزاد لائبریری میں ہوں گے) مطلوب ہے۔ فوٹو اسٹیٹ کاپیاں مل جائیں تو خوب ہو۔ شاید میری مطلوبہ چیزیں حاصل کرنے میں بھی آپ کو اب تک کچھ کامیابی حاصل ہوئی ہو۔ اس کا بھی خیال رہے۔ خدا کرے آپ سب لوگ بخیر ہوں۔

میرا ارادہ ہے کہ راس مسعود سوسائٹی کی طرف سے بعض شخصیتوں کے خاکے مختلف اہل قلم کے لکھے ہوئے کتابی شکل میں شائع کر دوں۔ اس نام سے 'خاکوں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے' آپ کے دوست ۳؎ کا خاکہ جو آپ نے ''تہذیب الاخلاق'' میں شائع کیا ہے میں نے انتخاب میں لے لیا ہے۔

والسلام جلیل قدوائی

﴿۷﴾

کراچی
۲؍مئی ۱۹۹۳ء

عزیزی و محبّ گرامی قدر مختار صاحب وعلیکم السلام

آپ کا ۲؍فروری کا لکھا ہوا خط میرے سامنے ہے۔ مجھے بڑی شرمندگی ہے۔ میری طوالت عمر اور متعلقہ مجبوریوں کے سبب اب مجھ سے باقاعدگی سے کوئی کام حتیٰ کہ خطوط نویسی کا فرض بھی سرانجام نہیں ہو پاتا۔ دل و دماغ بھی غیر حاضر سے رہتے ہیں اور حواس مختل۔ امید ہے کہ آپ مجھے تاخیر جواب کے لئے معاف کریں گے۔ ہم میاں بیوی اور دونوں مریض، ایک دوسرے کی مناسب دیکھ بھال نہیں کر پاتے۔ اولاد باہر ہے یعنی بشمول اس اولاد کے جو

پاکستان میں ہیں مگر کراچی سے باہر ہے۔ اور نوکر بھی کام کے نہیں ملتے۔ چاروں طرف جو حالات ہیں وہ اور بھی پریشان کرتے ہیں۔ کراچی سے باہر مگر پاکستان میں رہنے والی اولاد اپنے پاس مقیم رکھنے کے لئے اصرار کرتی ہیں مگر ہماری جڑیں تو کراچی کی سرزمین میں جم گئی ہیں کہاں جائیں، یکسوئی سے کوئی کام نہیں ہو پاتا۔

مجھے کتنی خوشی ہوتی ہے کہ آپ مجھے اتنا یاد رکھتے اور میری اتنی قدر کرتے ہیں۔ آپ کی فرمائش اور ہمت افزائی سے مجموعہ 'چند اور اکابر چند اور معاصر' کسی نہ کسی طرح مرتب کر کے پریس میں بھجوانے والا ہوں۔ مجھے جائسی صاحب اور آپ کی قدر افزائی کی بدولت ''تہذیب الاخلاق'' کے حالیہ نمبر میں ڈاکٹر ہادی حسن پر مطبوعہ مضمون پڑھنے کو مل گیا۔ کتنی محنت آپ لوگوں نے اسے اشاعت پذیر ہونے کے لئے کی۔ اگرچہ ادھر اُدھر اغلاط ہیں مگر ایک نظر پھر سے ڈال کر اسے بھی مجموعہ کے مسودہ میں شامل کر لیا ہے۔ پرچہ برابر مل رہا ہے اس کا شکریہ آپ بھی قبول فرمائیں اور جائسی صاحب بھی۔

مجھے ''نذر مختار'' ۱؎ بھی عقیل صاحب کے ذریعہ سے مل گئی تھی مگر اپنا نسخہ آپ نے مجھے عطا کر دیا تو آپ کے پاس کیا رہا، اس کے بارے میں لکھئے گا۔ یہ امتیاز خاص آپ کا میرے لئے مجھے جیتے جی یاد رہے گا نیز 'دیوان بیدا' کا ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا وہ ذاتی نسخہ جس پر ان کے قلم سے تصحیحات تھیں اور جو انہوں نے دستخط کر کے آپ کو دیا تھا، آپ کا مجھے عطا کر دینا بھی نہیں بھول سکتا۔ مگر عقیل صاحب نے وہ سر سید/ اکبر الہ آبادی مراسلت کے سلسلے میں کچھ نہ کیا اور وہ دو سال کے لئے جاپان چلے گئے۔ میں موٹر پر بھی کہیں آنے جانے کے لئے کم و بیش ناقابل ہوں۔ مگر پھر بھی ذہن آپ کا اس کام سے خالی نہیں ہے، کچھ کروں گا۔ خواجہ صاحب رات آئے تھے ان سے بھی ایک بار کہا تھا۔ ۲؎

ارے مالک رام سورگ باشی ہو گئے۔ یہ خبر خواجہ صاحب سے سن کر دل پاش پاش ہو گیا۔ میری ان سے دوستی ۱۹۳۶ء سے تھی۔ خواجہ صاحب ان پر مضمون کے لئے کہہ گئے ہیں مگر آپ میری تحریر دیکھ رہے ہیں، لکھ بھی لوں تو پڑھ کون سکے گا۔ میرے آخری خط کا ان پر جواب باقی تھا۔ افسوس ایسے مخلص اور سچے competent لوگ اب کہاں ملتے ہیں میں اپنے ایسے زبردست عالم و فاضل دوست سے محروم ہو گیا، افسوس وہ دنیا ہی بدل گئی۔

برنی صاحب کا خط ملا تھا، میری بھیجی ہوئی اطلاعات انہیں مل گئیں۔ میری بابت ایک مسودہ جو مالک رام (اب آنجہانی) اور کسی اور کتاب یا دوست کی معاونت سے تیار کیا تھا مجھے بھیجا تھا وہ بھی میں نے نظر ثانی کے بعد (اگرچہ بہت بے دلی کے ساتھ) انہیں ارسال کر دیا، رسید بھی

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

آ گئی مگر انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ میں نے اقبال کے دو خطوط کا ذکر کیا تھا جن کا مجھ سے تعلق تھا۔ ایک تو انگریزی میں رجسٹرار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام میرے شعبۂ اُردو میں تقرر کے سلسلے میں تھا،[۳۲] دوسرا سجاد حیدر صاحب کے نام تھا، اقبال کے نام ان کے خط کے جواب میں جس میں سجاد صاحب نے سفارش کی تھی کہ مجھے علی گڑھ میگزین کے جوبلی نمبر کے لئے اپنی ایک تصویر اور ایک غزل ارسال کریں۔ میں میگزین کا نائب ایڈیٹر تھا اور میرے خط کے ساتھ سجاد صاحب نے اپنی سفارش بھیجی تھی۔ اقبال صاحب کا وہ خط جس میں انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا تھا اور اپنی تصویر بھیجی تھی اور ایک فارسی غزل ؎

نہ داری در جہاں یارے کہ داند دل نوازاں را
بخور گم　　　　　عشق بازاں را

یہ سب چیزیں ایک بلاک میں سجا کر میں نے میگزین کے جوبلی نمبر (۱۹۲۵ء) میں شائع کی تھیں ان دونوں خطوں کا معلوم نہیں انہیں پتہ تھا یا نہیں، یا اب مجھ سے پتہ چلا تو انہوں نے کیا کارروائی کی۔

انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ اپنی کتاب کی ابتدائی دو جلدیں انہوں نے مجھے پاکستان ہائی کمیشن کے ذریعہ بھجوادی ہیں مگر تین ماہ سے زائد ہو گئے مجھے نہیں ملیں۔ میں نے انہیں اس کی اطلاع دی تھی۔ ان سے پوچھیں کتابیں کب ملیں گی؟ کمیشن کو یاد دہانی کے لئے خط لکھیں۔

خواجہ صاحب کے ذریعہ اسلوب انصاری صاحب محترم نے 'نقد ونظر' کا تازہ ترین شمارہ مجھے بھیجا ہے۔ مجھے الگ الگ خطوط جلد جلد لکھنا ایک عذاب معلوم ہوتا ہے۔ آنکھوں کا آپریشن بوجوہ اب تک نہیں ہوسکا۔ اب موقع ہاتھ آتے ہی انہیں شکریہ کا خط علیحدہ لکھوں گا کہ اپنا پرچہ مجھے برابر بھجواتے رہیں۔ سردست آپ میری طرف سے شکریہ کا اظہار کردیں۔ (جائسی صاحب نے بھی مسلسل 'تہذیب الاخلاق' بھیجنا شروع کردیا، انہیں بھی شکریہ ارسال ہے)۔

اس پرچہ میں خواجہ منظور حسین کے خطوط پر آپ نے حواشی کتنی محنت سے لکھے ہیں۔ یہ آپ کے ان سے (بلکہ علم وادب سے) عشق کا ادنیٰ ثبوت ہے۔ میرا خیال ہے کہ خواجہ منظور حسین نے آغا حیدر حسن کے مضامین کا مجموعہ بھی ''پس پردہ'' کے نام سے شائع کردیا تھا، کہیں اور بھی میں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ فانی کا کلام مرتب انہوں نے کیا تھا مگر پریس کے لئے اس کا مسودہ (مبیضہ) میں نے تیار کیا تھا۔ اگرچہ میں کہہ نہیں سکتا کہ اس کا پہلا ایڈیشن آگرہ والا میرا مبیضہ تھا یا پھر کوئی اور مسودہ تیار ہوا تھا، اتنے دنوں کی بات ہے۔

آپ نے یہ بڑا کرم کیا ہے کہ حواشی میں آپ نے راقم کا خوبصورت تذکرہ لکھ کر بھی شامل کردیا۔ اس میں یہ دو باتیں لکھنے سے رہ گئیں ہیں کہ 'خدا راہ' کے ترجمہ کے انتساب میں مَیں نے خواجہ صاحب سے عقیدت ہی ظاہر نہیں کی ہے مگر ان دنوں وہ اُردو کے کاموں سے کچھ غافل ہو گئے تھے سو استدعا کی تھی کہ اُردو ان کی توجہ کی محتاج ہے، اس کی طرف سے غافل نہ ہو جائیں۔ اسی طرح مسودہ کے انگریزی ترجمہ کا انتساب سادہ سا نہیں ہے، پورے صفحہ پر ان کی ذات و صفات پر متن میں ایک مسلسل و مدلل (اگر نثر کے لئے کہہ سکیں) ایک قصیدہ ہے۔ آپ نے اس کتاب کو راس مسعود اور فوسٹر کے درمیان مراسلت بتانے میں غلطی کی ہے۔

آپ نے منظور کے خطوط کے حواشی میں 'نقد ونظر' کے خواجہ منظور حسین نمبر کا ذکر کیا ہے جو ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ کیا یہ نمبر جو ظاہر ہے 'نذر منظور' سے الگ ایک مجموعہ ہے اب کہیں مل سکتا ہے۔ میں انصاری صاحب سے براہ راست طلب نہیں کرسکتا کیونکہ ان سے مراسلت کا سلسلہ نہیں ہے۔ ممکن ہو تو ارسال فرمائیں۔ اسی کے ساتھ 'ناموران علی گڑھ' کی وہ جلد بھی جو آپ تحریر کرتے ہیں کہ زیبا صاحب ہندوستان سے براہ راست کراچی واپس آنے کی وجہ سے آپ مجھے نہیں ارسال کرسکے۔

خواجہ صاحب ہی کو اپنی چیزیں بھجوادیتا ہوں جو ہندوستان کی لائبریریوں کو بھجوانے کا انتظام کرتے ہیں۔ ابھی جو وہ رات کو آئے، مجھ سے ملے، میں نے ان سے پوچھا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ (لائبریریوں کے علاوہ) اشخاص کو بھی، اگر کتاب ہاتھ آجاتی ہے، بھجوادیتے ہیں، میں ان سے اب 'انشائے ہاشمی' کا نام لے کر پوچھوں گا۔ ورنہ ڈاک سے بھجوانے کا انتظام کروں گا۔ میں تو ذہنی طور پر اتنا غائب رہتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم، ہندوستان و پاکستان کے درمیان کتابوں کی ترسیل کا سلسلہ ڈاک سے قائم ہے، یا دوستوں کے ہاتھ بھجواتے ہیں۔ جس طالب علم نے مجھ پر خامہ فرسائی کی ہے اور اسے کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے اس نے مجھے اپنی کتاب کے تحفتاً کچھ نسخے دیئے تھے جو تقسیم ہو گئے۔ اپنے بچوں کے لئے چند نسخے ہیں جو انگلینڈ، کناڈا، امریکہ وغیرہ میں ہیں، ان میں سے ایک آپ کو بھجوانے کی کوشش کروں گا۔

مختار صاحب! ورق تو تمام نہیں ہوا مگر قلم میرے ہاتھ سے نکلا جارہا ہے اور انگلیاں فگار ہونے والی ہیں۔ میرے کندھے شل ہیں (Frozen Shoulder کا ترجمہ) اور ہاتھ کے پوروں میں درد ہونے لگتا ہے جو کہنی اور کندھے تک پہنچتا ہے مجبوراً خط ختم کرتا ہوں۔ میرے لئے دعا

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

فرمائیں کہ کاش بقیہ زندگی میں بالمشافہ آپ سے بات ہوسکتی۔ بہرحال دنیا بہ امید قائم۔ میری طرف سے آپ کو اور جائسی صاحب کو نیز اسلوب صاحب کو بہت بہت تسلیمات اور سرور صاحب سے ملاقات ہو اور وہ پوچھیں تو میری طرف سے ضرور سلام کہہ دیں۔ برنی صاحب سے اس خط میں ان کے کام کے سلسلے میں میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ذکر ان سے ضرور فرمادیں۔

والسلام خاکسار

جلیل قدوائی

﴿۸﴾

جہلم

۲۰راکتوبر۱۹۹۴ء

میرے پیارے مختار صاحب وعلیکم السلام

آپ کا ۹رفروری ۱۹۹۴ء کا محبت نامہ میرے پیش نظر ہے۔ نہایت درجہ افسوس ہے کہ میں اس کی رسید اور جواب کی ترسیل سے قاصر رہا۔ کئی بار خیال آیا کہ بے حیائی کی آخر حد ہوتی ہے مجھے آپ کو اپنی بیوی کی وفات کے سلسلے میں آپ کے ارسال کردہ تعزیت نامہ کی رسید تو بھیجنی چاہیئے مگر طبیعت لکھنے پر آمادہ نہ ہوسکی۔ ایک تو یہ صدمہ میرے لئے جاں کاہ تھا، اب میرا کوئی خبر رکھنے والا صحیح معنوں میں نہیں رہا۔ دوسرے میں لکھنے پڑھنے سے کم و بیش عاری ہو رہا ہوں۔ اندازے سے خط لکھتا ہوں۔ Retina اتنا خراب ہوگیا ہے کہ ڈاکٹروں نے آنکھ کے آپریشن سے انکار کردیا کہ آپریشن میں آنکھ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ میرا بیٹا جو مجھے کراچی کے گھر میں تالا ڈال کر یہاں لے آیا ہے چونکہ فوج میں ہے مشورہ دیتا ہے کہ میرے لئے انڈیا والوں سے اس کے پاس رہ کر خط و کتابت کرنا مناسب نہیں ہے۔ اب میں نے یہ سوچا ہے کہ خواجہ صاحب کے پاس آپ کے نام خط بھیج دیا کروں گا اور وہ کسی نہ کسی طرح اسے آپ تک پہنچانے کا انتظام کرادیں گے۔[1]

آپ سے یہ دریافت کرنا تھا کہ آپ کو میری 'چند اور اکابر چند اور معاصر' مل گئی تھی؟ اور ہاں 'حیات مستعار' کا دوسرا حصہ بھی؟ اب لکھنا پڑھنا ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ سوسائٹی کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کراچی کے سپرد کر رہا ہوں اور اکادمی ادبیات سے گرانٹ ختم کرارہا

ہوں کیونکہ ایسوسی ایشن والے کہتے ہیں کہ ہمیں نام کی گرانٹ نہیں چاہیئے۔ ہم اپنے پاس سے سوسائٹی کو چلانے کی کوشش کریں گے۔

آپ کا بہت بہت شکریہ کہ میری خیریت دریافت کی۔ ہاں 'نذر مختار' کی آپ کی اپنی کاپی میرے پاس ہے۔ اور اس کے ابتدائی اوراق میں آپ نے کہیں کہیں تصحیح اور اضافے بھی کئے ہیں یہ میرے پاس کیسے آگئی کتاب پر آپ کا نام اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا موجود ہے۔[2] مؤرخہ ۲۷/۲/۱۹۸۸ء۔

بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

آپ کا جلیل قدوائی

کیا آپ نے مالک رام پر ''قومی زبان'' کے مالک رام نمبر میں میرا مضمون پڑھا تھا؟ اس میں بہت غلطیاں تھیں۔ میں نے نظر ثانی کی تھی شاید دوبارہ کہیں اور چھپواؤں۔

حواشی

خط:۱

۱۔ یہ خط اور قدوائی صاحب کے کچھ اور خطوط اس وقت تلاش سے نہیں ملے۔

۲۔ مولانا امتیاز علی عرشی رام پوری جن کے خطوط مرتب ہیں اور اشاعت کے لئے تیار۔

۳۔ ڈاکٹر کبیر احمد جائسی صاحب ایڈیٹر تہذیب الاخلاق، علی گڑھ۔

خط:۲

۱۔ یہاں بعض الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔ میں نے قدوائی صاحب کی کتاب ''تجزیے اور تجربے'' پر اپنے تاثرات لکھے ہوں گے۔

خط:۳

۱۔ مشفق خواجہ مرحوم مراد ہیں جن کی معیت میں پہلی اور آخری مرتبہ قدوائی صاحب کے پاس حاضر ہوا تھا۔

۲۔ صحیح ۱۹۵۱ء جب میں لٹن لائبریری میں بحیثیت ناظم شعبۂ مخطوطات کام کرنا شروع کیا۔

۳۔ طباعت کی غلطی ہے، کون نہیں جانتا کہ میر محمدی بیدار، دہلوی ہیں۔

۴۔ ایک عرصے سے سرسید علیہ الرحمۃ کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ خطوط جمع کر رہا ہوں ''کلیات مکاتیب سرسید'' کے نام سے ایک مجموعے میں شائع کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے کچھ غیر مطبوعہ خطوط مجلۂ فکر و نظر (علی گڑھ) میں اپنے

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

حواشی کے ساتھ شائع بھی کر چکا ہوں۔ معلوم ہوا تھا کہ کچھ غیر مطبوعہ خطوط کراچی یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہیں، ان کے عکس کے حصول کے لئے قدوائی صاحب کو لکھا تھا۔ یہ خطوط آج تک حاصل نہ ہو سکے۔

۵۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، علی گڑھ کے ممتاز طالب علم اور استاد، سابق صدر شعبہ کراچی یونیورسٹی یونیورسٹی، میں نے ان کی وفات پر ایک مضمون لکھا جو فکر و نظر، علی گڑھ (دسمبر ۱۹۹۴ء) میں چھپا اور یہیں کے قومی زبان کراچی (فروری ۱۹۹۶ء) میں شائع ہوا۔

۶۔ پرفیسر نور الحسن نقوی، استاز شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی نے متعدد حصوں میں یہ کتاب شائع کی تھی۔ اب اس کے نسخے نہیں ملتے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن پروفیسر آزرمی دخت صفوی ترمیم و اضافے کے بعد شائع کر رہی ہیں۔

۷۔ بعد کو سید بشیر الدین صاحب نے دودھپور، سول لائنز میں اپنی کوٹھی تعمیر کرالی تھی۔ یہ ۱۹۴۳ء سے پہلے تعمیر ہو چکی تھی اور اس علاقے کی پرانی کوٹھیوں میں شمار ہوتی ہے۔

۸۔ میں نے بہت عرصہ پہلے غالباً رسالہ ندیم (گیا) میں مولانا مظہر الحق کی جوانی اور عالم ضعیفی کی دو تصویریں چھپی ہوئی دیکھی تھیں ان تصویروں کے نیچے یہی شعر درج تھا۔

۹۔ یہ صحیح نہیں، استاد مرحوم کراچی تو بہت بعد کو گئے ہیں ان کی عربی کتابوں پر جو ۱۹۳۵ء سے پہلے مصر و شام سے شائع ہوئی ہیں ان کا نام عبدالعزیز المیمنی لکھا ہوا ملتا ہے۔

۱۰۔ شمس العلماء محمد حسین آزاد مراد ہیں۔

۱۱۔ آغا طاہر مرحوم اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ 'نبیرۂ آزاد' لکھا کرتے تھے۔ ان کی کتابوں پر ان کا نام اسی طرح چھپا ہوا ملتا ہے۔ یاروں نے انہیں 'بٹیرۂ آزاد' کہنا شروع کر دیا۔ آغا صاحب نے ڈگی روڈ پر ایک بنگلہ کرائے پر لے رکھا تھا۔ ۱۹۵۱ء-۱۹۵۲ء میں ان کی بیٹیاں علی گڑھ میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ میں اس زمانے میں سر سید ویسٹ (سر سید ہال) میں مقیم تھا اور ڈاکٹریٹ کر رہا تھا۔ اس زمانے میں وہ اکثر میرے ہوسٹل تشریف لاتے تھے، بڑے خوش گفتار آدمی تھے، میں گھنٹوں ان کی باتیں بڑے ذوق و شوق سے سنتا تھا۔ ان کا حافظہ بہت اچھا تھا۔ اپنے دادا محمد حسین آزاد اور ان کے عہد کی باتیں سناتے تھے تو دل چاہتا تھا کہ ان کے منہ سے اسی طرح پھول جھڑتے رہیں اور ہم لطف اندوز ہوتے رہیں۔ کبھی کبھی ہمارے دوست سید شاہ حسن عطا آجاتے تھے جو اسی ہوسٹل میں رہتے تھے تو محفل دو گھنٹے سے پہلے ختم نہیں ہوتی تھی۔ آغا طاہر سے میری آخری ملاقات اتفاقیہ طور پر ۷/ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو جامع مسجد دہلی کے ایک ہوٹل میں ہوئی جب میں لندن کے سفر کے لئے پا بہ رکاب تھا، پھر ان سے ملنا میرے نصیب میں نہ تھا۔

۱۲۔ منظر عالم اور عبدالوہاب خیری، ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم کے بہت قریب کے لوگوں میں تھے اور علی گڑھ میں تقسیم ہند کے دور کے سیاسی لوگوں میں تھے۔ افسوس ہے کہ ارض موعود میں انہیں وہ اہمیت نہیں ملی جس کے وہ مستحق تھے۔

۱۳۔ عبدالستار خیری و عبدالجبار خیری ہندوستان کے اہم لوگوں میں تھے۔ مؤخر الذکر کو دیکھنا یاد آتا ہے، عبدالستار خیری میرے جرمن زبان کے استاد تھے۔ ان کے بعد ان کی جرمن بیوی ہمیں جرمن پڑھاتی تھیں۔ کلاسیں ملا طاہر سیف الدین کے تعمیر کردہ کمروں القاعات العربية میں شام کو ہوتی تھیں۔

۱۴۔ عمر الدین صاحب، پروفیسر سید ظفر الحسن مرحوم کے بعد پروفیسر اور صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ وہ فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین اور آفتاب ہال کے پرووسٹ بھی رہے۔ امام غزالی پر ان کی کتاب مشہور ہوئی۔ پاکستان کے مشہور ادیب، صلاح الدین محمود، جو پیشے کے لحاظ سے انجینئر تھے انہی کے صاحبزادے تھے۔

۱۵۔ نصیر حسین خیال مرحوم کے اس لفظ کے بارے میں میں نے کیا لکھا تھا یاد نہیں، لیکن یہ لفظ جذبی صاحب اپنے ایک دوست اور رفیق شعبہ کے سلسلے میں اکثر استعمال کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ جب میں انگلستان میں تھا ایک خط لکھ کر مجھے متنبہ کیا تھا کہ ''وہاں آپ انٹریگ الاسلام کے انٹریگ سے بچ کر رہیئے گا''۔ یہ ان کا سوءِ ظن تھا، وہ صاحب مجھ پر شفقت فرماتے تھے اور مجھ سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ جب میں فیکلٹی آف آرٹس کا ڈین تھا اسی زمانے میں مجھے ہمیشہ ان کا تعاون حاصل رہا۔ ہاں یہ یاد آتا ہے کہ عمر الدین صاحب مرحوم بعض اصحاب کے بارے میں فرماتے تھے: بھئی انہوں نے ملک و قوم کے لئے بہت 'سیکریفائیاں' کی ہیں اور استاد مکرم مولانا عبدالعزیز میمن کبھی کبھی ہم طالب علموں سے فرماتے، امتحان قریب ہے ضرورت ہو تو گھر پر آکر اپنی اپنی ڈیفیکلٹیاں دور کر لیجئے۔

۱۶۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل، سابق شعبۂ اُردو، کراچی یونیورسٹی۔

۱۷۔ پروفیسر ابوبکر احمد حلیم، سابق پرو وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۱۸۔ دیوان بیدار دہلوی کے دو ایڈیشن محوی صدیقی اور جلیل احمد قدوائی نے حسب ترتیب مدراس اور الہ آباد سے ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۷ء میں شائع کئے۔ اب یہ دونوں ایڈیشن نہیں ملتے۔ قدوائی صاحب دیوان بیدار دوبارہ کراچی سے شائع کرنا چاہتے تھے۔ مولانا امتیاز علی عرشی نے ان کے مطبوعہ نسخے کا کتب خانۂ رضائیہ رام پور کے نسخے (مکتوبہ سید عالم علی ۱۲۳۶ھ) سے مقابلہ کر کے اختلاف نسخ وغیرہ درج کر رہے تھے لیکن بوجوہ قدوائی صاحب اسے دوبارہ مرتب کر کے شائع نہ کر سکے۔ اب یہ اطلاع باعث مسرت ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر نسیم احمد صدر شعبۂ اُردو بنارس یونیورسٹی (جنہوں نے دیوان درد اور دوسرے قدیم اُردو متون پر تحقیقی کام کر کے علمی حلقوں میں شہرت حاصل کر لی ہے) انڈیا آفس لائبریری لندن، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ اور کتب خانۂ رضائیہ رام پور کے سات نسخوں کی بنیاد پر اس کا علمی، تنقیدی ایڈیشن اشاعت کے لئے تیار کر رہے ہیں۔

۱۹۔ میرے مہربان دوست رامپور کے جمیل اختر خاں صاحب جو بعد کو کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر اور صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ چند سال پہلے کراچی میں انہوں نے وفات پائی۔

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

خط:۴

۱۔ شعبۂ اُردو کے ایک ریسرچ اسکالر ڈاکٹریٹ کے لئے شیخ محمد اکرام پر مقالہ لکھ رہے تھے۔ وہ شیخ صاحب سے علی گڑھ میں ملے تھے۔ ہم لوگوں کے مشورہ پر وہ لاہور کراچی معلومات جمع کرنے گئے تھے۔

۲۔ حکیم عبدالقیوم صاحب اہل علم کے ایک مرکز ڈیانواں ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے اور عظیم آباد کے مشہور حاذق طبیبوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کے سارے بیٹوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، بڑے بیٹے عبدالمنان صاحب اُردو کے پروفیسر اور صدر شعبہ ہوئے، عبدالرحمٰن اور عبدالحنان صاحبان علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے اور میرے دوست اور معاصر۔ دونوں پاکستان میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔

۳۔ یہ سہو قلم ہے، یہ عبدالحنان صاحب تھے جو اپنے بھائی کے ساتھ ۱۹۴۲ء میں علی گڑھ میں مقیم تھے۔ پروفیسر عبدالمنان نے اپنی پوری تعلیم پٹنہ یونیورسٹی میں حاصل کی۔

۴۔ جلیل قدوائی، مشفق خواجہ، شجاع احمد خاں زیبا اور سید بدر عالم کے نام کے خطوط ''انشائے ہاشمی'' کے نام سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئے۔ مشفق خواجہ مرحوم کے خطوط سے معلوم ہوا کہ ان کی فرمائش پر شجاع احمد زیبا، مرحوم ہاشمی کے مضامین اور خطوط مرتب کر رہے تھے۔ ان کی علالت کی وجہ سے غالباً کام کی تکمیل نہ ہو سکی۔

خط:۵

۱۔ یہ ہیں: 'کچھ آپ بیتیاں کچھ جگ بیتیاں' (ادارۂ نگارش و مطبوعات کراچی ۱۹۸۹ء) اور 'ایک تھی مینا اور دوسری کہانیاں' (کراچی ۱۹۹۰ء) بیگم ہرمزی جلیل قدوائی کی دوسری تصانیف جو انہوں نے مجھے بھیجی ہیں یہ ہیں: سرور کائنات کے احسانات، کیفیات حج بیت اللہ، کمسن مجاہد اور دوسری کہانیاں، ننھی پرویں اور دوسری کہانیاں۔

۲۔ ڈاکٹر سید مظفر حسین برنی ہندوستان کے تین صوبوں کے گورنر، ایوان غالب دہلی کے اہم کارکن اور مکاتیب اقبال کے مرتب۔ حواشی لکھنے میں حتی الامکان ان کی مدد کرتا رہا قدوائی صاحب کو انہوں نے میری ہی تحریک پر خطوط لکھے تھے۔

۳۔ کاظمی پر میں نے اک نوٹ لکھ کر بھیج دیا تھا۔ سجاد صاحب سے تو میں ذاتی طور پر واقف ہوں۔ ان کے کئی شاگردوں کو بھی جانتا ہوں۔ کاظمی صاحب پر جو معلومات میرے پاس تھے ان پر اضافہ چاہتا تھا اس لئے قدوائی صاحب سے استفسار کیا تھا۔

۴۔ پروفیسر آل احمد سرور کی خودنوشت جو ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔

۵۔ احسان رشید صاحب میرے دوست تھے اور علی گڑھ میں میرے معاصر۔ میں عمان (اردن) ایک کانفرنس میں گیا ہوا تھا۔ ایک صبح اپنے ہوٹل سے ان سے ملنے سفارت خانے گیا، بہت تپاک سے ملے، سفارت خانے کے افسروں سے ملاقات کرائی، تھوڑی دیر میں پاکستان کے کئی شہروں کا ویزا بنوا دیا۔ چائے پر مختلف موضوعات پر

باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے کہا رشید صاحب کے خطوط جمع کر رہا ہوں، اشاعت کا ارادہ ہے، آپ کے نام کچھ خطوط محفوظ ہوں تو ان کے عکس بھجوا دیجئے۔ بس مسکرا کر رہ گئے، نہ بھیجنے کا وعدہ کیا نہ انکار۔ میں نے سمجھا رشید صاحب کی ہدایت پر خطوط انہوں نے محفوظ نہیں رکھے۔ ان کے ایک بھائی نے رشید صاحب کی خوشنودی کے خیال سے اپنے نام کے سارے خطوط ضائع کر دیئے تھے۔ بعد کو احسان صاحب کے نام رشید صاحب کے خطوط میر الٰہی اور لطیف الزماں خاں صاحبان کے مرتب کردہ ایک مجموعے میں شائع ہوئے۔

خط:۶

۱۔ یہ پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی (۱۹۰۴ء-۱۹۹۸ء) ہیں جو ان دنوں کراچی آئے ہوئے تھے۔

۲۔ قدوائی صاحب سے خط کتابت کا مشورہ میں نے ہی دیا تھا۔ 'نامورانِ علی گڑھ'، برنی صاحب کے پیش نظر تھی، مزید معلومات چاہتے تھے۔

۳۔ علی گڑھ کے احمد شفیق، اوکسفرڈ میں میرے معاصر تھے جنھوں نے وہاں سے حیوانیات میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ ان کی شخصیت پر ایک تقریر میں نے آل انڈیا ریڈیو سے 'اسکالر' کے عنوان سے ۱۹۵۶ء میں نشر کی تھی جو ریڈیو کے رسالہ 'آواز' میں اسی عنوان سے چھپی تھی، بعد کو ترمیم و اضافے کے بعد یہ مضمون 'تہذیب الاخلاق' (علی گڑھ) میں شائع ہوا۔

خط:۷

۱۔ راقم کو ۶۴ ویں سالگرہ پر ۱۹۸۸ء میں اس کی خدمات ادب کے اعتراف کے طور پر مالک رام صاحب نے ایک ارمغان علمی مرتب کر کے نائب صدر جمہوریہ ہند شنکر دیال شرما کے ہاتھوں پیش کیا۔ اس میں ہندو پاک کے ۲۶ نامور اہل قلم کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔

۲۔ افسوس ہے کہ سرسید-اکبر الٰہ آبادی مراسلت سے جو کراچی یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں، آج تک اس کے مطالعے سے محروم ہوں۔ کراچی کے کوئی مہربان کاش اس طرف توجہ فرمائیں۔

۳۔ اس نگریزی خط (مؤرخہ ۳/اگست ۱۹۳۴ء) کا اُردو ترجمہ کلیات مکاتیب اقبال (۵۸۶/۳) میں شائع ہوا ہے۔ اس وقت رجسٹرار عظمت الٰہی زبیری تھے، انہی کے نام اقبال کا ایک اُردو خط ۷/اگست کا لکھا ہوا کلیات مکاتیب میں ص ۵۹۳ پر ملتا ہے، اس میں اُردو کی ریڈرشپ اور لکچررشپ کی اسامیوں کے لئے اقبال نے حسب ذیل رائے بھیجی ہیں:

> ''ریڈرشپ کے لئے میں بلا تامل رشید احمد صدیقی کے حق میں اپنی رائے دیتا ہوں۔ ایک ہونہار نثر نگار اور نقاد کی حیثیت سے انہوں نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا ہے۔......لکچررشپ کے لئے صرف چار نام قابل غور ہیں، ذاتی طور پر میں سید علی احسن کو منتخب کرنے کے حق میں ہوں۔ ان کی عمر ۵۷ برس ہے اور انہوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اُردو کے مطالعے میں

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com

صرف کیا ہے، اُردو کے ایک لکچرر کی حیثیت سے انہوں نے اپنی کامیابی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ افسوس ہے کہ وہ انگریزی کے علم سے محروم ہیں، اس کی بنا پر مجھے خدشہ ہے کہ کمیٹی کے دوسرے ممبر مجھ سے متفق نہیں ہوں گے۔ اگر ممبران مجھ سے اتفاق نہ کرسکیں تو پھر جلیل احمد قدوائی، محمد یحیٰ انتہا اور آغا محمد اشرف میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ آغا محمد اشرف ہونہار معلوم ہوتے ہیں مگر اس نوع کی اسامی کے لئے ان کی عمر بہت کم معلوم ہوتی ہے۔ باقی رہے دو امیدوار، میں ان میں سے جلیل احمد قدوائی کو ترجیح دیتا ہوں‘‘

سلکشن کمیٹی نے علامہ اقبال کی رائے کو اہمیت دی، رشید صاحب کو ریڈر اور صدر شعبہ بنایا گیا، مولانا علی احسن مارہروی کی لکچرر گریڈ نمبر ۱ اور جلیل احمد قدوائی کی لکچرر گریڈ نمبر ۲ پر تقرری عمل میں آئی۔

خط: ۸

۱۔ جلیل قدوائی صاحب کا میرے نام یہ آخری خط ثابت ہوا۔

۲۔ کوئی صاحب کراچی جا رہے تھے، ان کے ہاتھ اپنا ذاتی نسخہ قدوائی صاحب کو بھیج دیا تھا کہ میں مالک رام صاحب سے کوئی اور نسخہ حاصل کرلوں گا۔

o ----------- o

ضمیمہ

احسان رشید صاحب کا خط جلیل قدوائی صاحب کے نام

۴؍اکتوبر ۱۹۹۲ء

قدوائی صاحب مکرم   تسلیم

آپ کی عنایت کردہ سرور صاحب کی خودنوشت اور نقد و نظر کی کاپی واپس پیش خدمت ہے۔ کتاب کے بارے میں کیا عرض کروں۔ بہر صورت مصنف کی جسارت کی داد دیتا ہوں کہ اپنی شان میں سب کچھ کہہ ڈالا، دوسروں کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ آپ بیتی لکھنے کا مقصد اگر صرف انا کی تسکین ہو تو اس کتاب کو سرفہرست جگہ دینا ہوگی۔ اپنے مناقب گنوانے میں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ منتخب روزگار شخصیتوں سے صرف اپنی شہادت کی بنا پر اپنی بڑائی کی سند حاصل کی جائے۔ یہ صاحب کس قدر برخود غلط اور مغالطہ آمیز خود پسندی کا شکار ہیں، یہ کتاب اس کا منہ بولتا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

اسلوب صاحب نے بجا طور پر اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ ان صاحب کا اپنی انتہائی اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کا ریکارڈ نہایت مایوس کن ہے۔ اپنی منصبی اور شخصی ذمہ داریوں کو خوبی یا خرابی سے پورا کرنے کے بارے میں خود مصنف کا فرمانا کافی نہیں سمجھا جاتا۔ کاش سرور صاحب کو اس کا احساس ہو جائے کہ اصلی تعریف وہ ہے جو دوسرے کریں، اس سلسلے میں اگر کوئی خود زحمت کرنے لگے اور دوسرے اس پر ہنسنے لگیں تو اس کا برا ماننا یقیناً بد مذاقی ہوگی۔

سرور صاحب کو جیسا اور جتنا جانتا ہوں (شعوری طور پر براہ راست واقفیت کا یہ عرصہ ایک ربع صدی پر محیط ہے) اس کو سامنے رکھتے ہوئے اتنا ضرور کہنا چاہوں گا کہ ان کی اس کتاب نے جتنا مایوس کیا اتنا نہ کرسکی۔ اس موقع پر ایک شعر ان کی خدمت میں پیش کرنے کو جی چاہتا ہے جو میرے مجموعی تاثرات کا اظہار بھی ہوسکتا ہے اور ان کے لئے دعا بھی

مدتی گفتار، بے کردار کردی مرحمت   روزگارے ہم بمن کردار، بے گفتار دہ

اس موقع پر بے اختیار، ’حیات مستعار‘، کا خیال آیا جو بلا شبہ ایک نہایت خوبصورت تخلیق ہے، آپ کو زندگی کیسی ملی، کیا اور کیسے لوگ دیکھے اور کیا کچھ واقعات گزرے اور انہوں نے کیا اثرات مرتب کئے اور اس دیکھنے دکھانے میں آپ نے اپنی شخصیت کی ترجمانی اور عہد رفتہ کی ذاتی عکاسی کا حق ادا کردیا۔ خودنوشت کا جواز، ذات کی ترجمانی اور عہد کی بازیافت ہی تو ہے۔ آپ نے ذات کی ترجمانی میں ایمانداری اور خلوص کو مدنظر رکھا اور عہد کی بازیافت میں توازن و سلیقے سے کام لیا۔ اس لئے آپ کی یہ تصنیف ہمارے ادب میں ایک قیمتی اضافہ بن گئی۔

سر راس مسعود کے خاندان سے متعلق یعنی شادی و اولاد کے بارے میں برنی صاحب کے لئے مطلوبہ معلومات، سلطانہ بھابھی کی مدد سے جو فراہم ہوئیں وہ بھی اس خط کے ہمراہ بھیج رہا ہوں۔ والدہ سر راس مسعود یعنی بیگم جسٹس محمود سے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنے کی کوشش جاری ہے اور وہ جب بھی مرتب ہو جائیں گی آپ کو بھیج دی جائیں گی۔

بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔ امید ہے آپ ہر طرح بخیر و عافیت ہوں گے۔

مخلص
احسان رشید

o < ------ > o

PDF Created with deskPDF PDF Writer - Trial :: http://www.docudesk.com